# الرسالہ

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

ISSN 0970-180X

احتسابِ غیر کیلئے متحرک ہونا نفس پرستی ہے
اور احتسابِ خویش کے لیے متحرک ہونا دینداری

اپریل ۱۹۸۹

شمارہ ۱۴۹

# تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ۔ سورۃ بنی اسرائیل

جلد دوم : سورۃ الکہف۔ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ جلد اول ۱۰۰ روپیہ

جلد دوم ۱۰۰ روپیہ

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو، انگریزی میں شائع ہونے والا

# الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان

شمارہ ۱۴۹ اپریل ۱۹۸۹

## فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| اہل بیت | صفحہ ۲ | تعدد ازدواج | ۶ |
| مذہبی آزادی | ۳ | ایک سفر | ۱۶ |
| غریبی کا سبب | ۴ | خبرنامہ اسلامی مرکز | ۴۴ |
| ہنسنا اور رونا | ۵ | ایجنسی الرسالہ | ۴۸ |


ماہنامہ الرسالہ، سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳، فون: 697333, 611128

# اہلِ بیت

قرآن کی سورہ الاحزاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تمہارا معاملہ عام انسانوں جیسا نہیں ہے۔ تمہارے گھر وہ ہیں جہاں اللہ کی آیتوں کی اور حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے، اس لیے تمہیں اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے:

وقرن فی بیوتکنّ ولا تبرّجن تبرّج الجاهلیة الاولیٰ واقمن الصلوٰة وآتین الزکوٰة واطعن الله ورسوله انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا (الاحزاب ۳۳)

(اے پیغمبر کی بیویو) تم اپنے گھر میں قرار سے رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح دکھلاتی نہ پھرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے آلودگی کو دور کرے اور تم کو پوری طرح پاک کر دے۔

اس آیت میں اہلِ بیت سے مراد عام طور پر اہل بیت رسول لیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ غیر ضروری بحث چھیڑ دی جاتی ہے کہ اس سے مراد پیغمبر کی بیویاں ہیں یا فاطمہ کی اولاد۔ یہ بحثیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ آیت کو صرف خاندانی معنوں میں لیا گیا ہے۔ حالاں کہ اس سے مراد محدود نسلی معنی میں صرف خاندانِ نبوّت نہیں، بلکہ وسیع تر معنی میں خاندانِ دعوت ہے۔ "پیغمبر کے گھر والے" کا مطلب، دوسرے لفظوں میں، "داعیٔ حق کے گھر والے" ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آیت کے ابتدائی اور ظاہری مفہوم کے اعتبار سے یہاں اہل بیت کا مطلب اہلِ بیتِ رسول ہی ہے۔ مگر قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہری مفہوم ہوتا ہے اور ایک اس کا باطنی مفہوم (لکل آیة منها ظهر وبطن) اس اصول کے مطابق، مذکورہ آیت میں ظاہری طور پر اگرچہ اہلِ بیت رسول کا ذکر ہے، مگر حقیقت کے اعتبار سے یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص لوگوں کے درمیان حق کا داعی بن کر کھڑا ہو، اس کے گھر کا طرز زندگی (Life-style) دوسروں سے مختلف ہونا چاہیے۔ اگر اس کا طرز زندگی دوسروں سے ممتاز نہ ہو تو لوگ اس کے دعوتی امتیاز کو بھی نہ سمجھ سکیں گے۔ وہ لوگوں کے درمیان داعی کا مقام حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔

# مذہبی آزادی

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب اشاعتِ اسلام (The Preaching of Islam) میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ المامون (۸۳۳ - ۸۱۳) نے سنا کہ اسلام کے مخالفین یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام اپنی دلیل کی طاقت سے کامیاب نہیں ہوا ہے بلکہ اپنی تلوار کی طاقت سے کامیاب ہوا ہے۔ اس نے دور دور کے ملکوں میں پیغام بھیج کر ہر مذہب کے اہلِ علم کو بغداد میں جمع کیا اور پھر مسلم علماء کو بلا کر دونوں کو ایک عظیم الشان اجتماع میں بحث و مناظرہ کی دعوت دی۔ اس علمی مقابلہ میں علماء اسلام کامیاب ہوئے اور غیر مسلم اہلِ علم نے برسرِ عام اسلام کی استدلالی عظمت کا اعتراف کیا (صفحہ ۸۶)

آرنلڈ نے لکھا ہے کہ خلیفہ المامون اسلام کی اشاعت کے معاملہ میں بہت زیادہ پُرجوش (Very zealous) تھا۔ اس کے باوجود اس نے کبھی اپنی سیاسی طاقت کو تبلیغِ اسلام کے لیے استعمال نہیں کیا اور نہ کبھی کسی کو جبراً مسلمان بنایا۔

بغداد کے مذکورہ بین مذاہب اجتماع میں دوسرے مذاہب کے جو اہلِ علم شریک ہوئے، ان میں ایک یزداں بخت تھا۔ وہ مانی فرقہ (Manichaean sect) سے تعلق رکھتا تھا اور ایران سے آیا تھا۔ یزداں بخت نے مسلم علماء کی باتیں سنیں تو وہ اسلام کی استدلالی طاقت سے مرعوب ہو گیا۔ اس نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لی۔

اجتماع کے بعد المامون نے اس کو دربار میں بلایا اور اس سے کہا کہ اب تم کو اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ یزداں بخت نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا: امیر المومنین، میں نے آپ کی بات سنی اور آپ کے مشورہ کو جانا۔ مگر آپ تو وہ شخص ہیں جو کسی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتے اور جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتے۔ یزداں بخت کے انکار کے بعد المامون نے اپنی بات واپس لے لی۔ اور جب یزداں بخت بغداد سے اپنے وطن واپس جانے لگا تو اس نے مسلح محافظ یزداں بخت کے ساتھ کر دیا تاکہ جذبات سے بھرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ (صفحہ ۵۶)

اسلام میں ہر فکر کی آزادی ہے اور اسی کے ساتھ ہر منکر والے کا احترام بھی۔

# غریبی کا سبب

ٹائمس آف انڈیا نے سوسائٹی کے نام سے ایک ضمیمہ (نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۸) شائع کیا ہے۔ اس میں ٹائمس آف انڈیا (۴ دسمبر ۱۸۸۰) کی ایک خبر نقل کی گئی ہے۔ اس وقت ہندستان میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ ایک انگریز افسر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (W. W. Hunter) نے لندن میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہندستان ایک بنیادی مسئلہ سے دوچار ہے۔ اور وہ عوام کی غربت (Poverty of the people) کا مسئلہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہندستان جو کسی وقت اتنا زیادہ دولت مند ملک سمجھا جاتا تھا، اب وہ اتنا غریب کیوں ہوگیا :

How comes it that India was once held to be so rich and now proves to be so poor? (p. 34).

تاریخ بتاتی ہے کہ ہندستان، مسلم حکومت کے دور میں نہایت خوش حال تھا۔ انگریزی حکومت کے دور میں پہلی بار وہ غریب ہوا، اور آزادی کے بعد ملکی حکومت کے زمانہ میں بھی وہ غریب ہے، بلکہ اب اس کی غربت میں ہمیشہ سے زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم مسلم حکمرانوں نے ملک سے جو دولت حاصل کی۔ اس کو انھوں نے ملک کے اندر ہی خرچ کیا۔ اس طرح دولت کی گردش ملک کے اندر ہوتی رہی۔ انگریزوں نے یہ کیا کہ ملک کی دولت کو یہاں سے نکال کر انگلینڈ لے گیے۔ اس طرح دولت کی گردش اندر سے باہر کی طرف ہونے لگی۔ یہی اصل وجہ تھی جس کی بنا پر ہندستان مسلم عہد میں خوش حال تھا اور انگریزی عہد میں وہ بدحال ہوگیا۔

دولت کی الٹی گردش کا یہی عمل "آزاد ہندستان" میں بھی بہت بڑے پیمانہ پر جاری ہے۔ ہندستان کے دیسی حکمراں اور یہاں کے بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار مختلف طریقوں سے ملک کی دولت باہر لے جاکر یورپ اور امریکہ کے بنکوں میں جمع کر رہے ہیں، اسی کے ساتھ اسمگلنگ کا کاروبار جو موجودہ ہندستان کا سب سے بڑا کاروبار ہے، وہ ملک کی بے شمار دولت کو بیرونی ملکوں میں پہنچا رہا ہے۔ اس طرح جو دولت باہر جارہی ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں بھی شاید اتنی زیادہ دولت باہر نہیں بھیجی۔

# ہنسنا اور رونا

ٹائمس آف انڈیا (۲۰ جنوری ۱۹۸۹) کے صفحہ اول پر ایک روتے ہوئے آدمی کی تصویر ہے۔ یہ امریکہ کے سابق صدر رونالڈ ریگن ہیں جو بے اختیار رو رہے ہیں اور ہاتھ میں رومال لیے ہوئے اپنے آنسوؤں کو پونچھ رہے ہیں۔ یہ ۱۸ جنوری ۱۹۸۹ کی تصویر ہے جب کہ وہ اپنے ۸ سالہ دور حکومت کو ختم کرکے واشنگٹن کے صدارتی محل (وہائٹ ہاؤس) سے واپس جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ ٹائمس آف انڈیا (۲۱ جنوری ۱۹۸۹) کا صفحہ اول دیکھیں تو اس میں آپ کو ایک شخص کا ہنستا ہوا چہرہ نظر آئے گا۔ یہ جارج بش ہیں جو اسی دن امریکہ کے اہم ویں منتخب صدر کی حیثیت سے واشنگٹن کے وہائٹ ہاؤس میں داخل ہوئے۔ ایک ہی عمارت ہے۔ مگر ایک آدمی اس سے روتا ہوا نکل رہا ہے اور دوسرا آدمی اس میں ہنستا ہوا داخل ہو رہا ہے۔

یہ دو آدمیوں کی شکل میں ہر آدمی کی تصویر ہے۔ لوگ دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس کو پاکر ہنستے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ "آٹھ سال" بعد یہ کامیابی ان کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ اسی طرح جو لوگ اپنی کامیابی سے محروم ہوتے ہیں، وہ روتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ آٹھ سالہ کامیابی کے آگے ان کے لیے ابدی کامیابی کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے، بشرطیکہ وہ اس ابدی کامیابی کے لیے وہی محنت کریں جو انھوں نے آٹھ سالہ کامیابی کے لیے کی تھی۔

موجودہ دنیا میں انسان کا ہنسنا اور اس کا رونا دونوں ہی بے معنی ہیں۔ کیوں کہ اس کا ہنسنا بھی غیر حقیقی چیز کے لیے ہے اور اس کا رونا بھی غیر حقیقی چیز کے لیے۔ اس دنیا کی یافت اور محرومی دونوں ہی بالکل غیر حقیقی ہیں۔ اور جب دونوں غیر حقیقی ہیں تو ان کے پانے یا ان کے کھونے پر انسان کا ردعمل بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ حقیقی چیز کو اپنا مقصود بنائے، وہ آخرت کی ابدی کامیابی کے لیے عمل کرے۔ جو لوگ ایسا کریں، وہی وہ لوگ ہیں جو ہنسنے والے دن ہنسیں گے۔ جو لوگ ایسا نہ کریں، ان کے لیے صرف ایک انجام مقدر ہے ——— دنیا میں بھی رونا اور آخرت میں بھی رونا۔

# تعدّدِ ازواج

قرآن میں اجتماعی زندگی کے بارہ میں جو احکام دیئے گیے ہیں، ان میں سے ایک حکم وہ ہے جو تعدد ازواج (چار عورتوں تک نکاح کرنے) کے بارہ میں ہے۔ اس سلسلہ میں آیت کے الفاظ یہ ہیں:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث و رباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (النساء ۳)

اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچوں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو (بیوہ) عورتوں میں جو تم کو پسند ہوں ان سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

یہ آیت غزوۂ احد (شوال ۳ ھ) کے بعد اتری۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ اس جنگ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوگیے تھے۔ اس کی وجہ سے مدینہ کی بستی میں اچانک ۷۰ گھر مردوں سے خالی ہوگیے۔ نتیجۃً یہ صورت حال پیش آئی کہ وہاں بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اس معاشرتی مسئلہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ اس وقت قرآن میں مذکورہ آیت اتری اور کہا گیا کہ جو لوگ استطاعت رکھتے ہوں وہ بیوہ عورتوں سے نکاح کرکے یتیم بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے لیں۔

اپنے الفاظ اور اپنے شانِ نزول کے اعتبار سے بظاہر یہ ایک وقتی حکم نظر آتا ہے۔ یعنی اس کا تعلق اس صورت حال سے ہے جب کہ جنگ کے نتیجہ میں آبادی کے اندر عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی اور مردوں کی تعداد کم۔ مگر قرآن اپنے نزول کے اعتبار سے زمانی ہونے کے باوجود، اپنے اطلاق کے اعتبار سے ایک ابدی کتاب ہے۔ قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زمانی زبان میں ابدی حقیقت بیان کرتا ہے۔ اس کا یہ حکم بھی اس کی اسی صفتِ خاص کا مظہر ہے۔

زیادہ شادی کا معاملہ صرف مرد کی مرضی پر منحصر نہیں، اس کی لازمی شرط (Inescapable condition) یہ ہے کہ معاشرہ میں زیادہ عورتیں بھی موجود ہوں۔ اگر زمین پر ایک ہزار ملین انسان بستے ہوں، اور ان میں ۵۰۰ ملین مرد ہوں اور ۵۰۰ ملین عورتیں، تو ایسی حالت میں مردوں کے لیے ممکن ہی نہ ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ نکاح کریں۔ ایسی حالت میں ایک سے زیادہ نکاح صرف جبراً کیا جاسکتا ہے، اور جبری نکاح

اسلام میں جائز نہیں۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے لیے عورت کی رضامندی ہر حال میں ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس طرح عملی طور پر دیکھئے تو قرآن کے مذکورہ حکم کی تعمیل صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ سماج میں وہ مخصوص صورت حال پائی جائے جو احد کی جنگ کے بعد مدینہ میں پائی جارہی تھی، یعنی مردوں اور عورتوں کی تعداد میں نابرابری۔ اگر یہ صورتِ حال نہ پائی جارہی ہو تو قرآن کا حکم عملاً ناقابل نفاذ ہوگا۔ مگر انسانی سماج اور انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ قدیم مدینہ کی صورت حال محض وقتی صورت حال نہ تھی، یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی جو اکثر حالات میں زمین پر موجود رہتی ہے۔ مذکورہ ہنگامی حالت ہی ہماری دنیا کی عمومی حالت ہے۔ یہ قرآن کے مصنف کے عالم الغیب ہونے کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں ایک ایسا حکم دیا جو بظاہر ایک ہنگامی حکم تھا، مگر وہ ہماری دنیا کے لیے ایک ابدی حکم بن گیا۔

## تعداد کی نابرابری

اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ باعتبار پیدائش عورت اور مرد کی تعداد تقریباً یکساں ہوتی ہے۔ یعنی جتنے بچے، تقریباً اتنی ہی بچیاں۔ مگر شرح اموات (Mortality) کے جائزہ سے معلوم ہوا ہے کہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے درمیان موت کی شرح زیادہ ہے۔ یہ فرق بچپن سے لے کر آخر عمر تک جاری رہتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) کے مطابق، عمومی طور پر، موت کا خطرہ عمر کے ہر مرحلہ میں، عورتوں کے لیے کم پایا گیا ہے اور مردوں کے لیے زیادہ:

In general, the risk of death at any given age is less for females than for males (VII/37).

اکثر حالات میں سماج کے اندر عورتوں کی تعداد کا زیادہ ہونا اور مردوں کی تعداد کا کم ہونا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب جنگ ہوتی ہے تو اس میں زیادہ تر صرف مرد مارے جاتے ہیں۔ پہلی عالمی جنگ (۱۸-۱۹۱۴) میں آٹھ ملین سے زیادہ فوجی مارے گیے۔ شہری لوگ جو اس جنگ میں ہلاک ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ زیادہ تر مرد تھے۔ دوسری عالمی جنگ (۴۵-۱۹۳۹) میں ساڑھے چھ کرور آدمی ہلاک ہوئے یا جسمانی طور پر ناکارہ ہوگیے۔ یہ سارے لوگ زیادہ تر مرد تھے۔ عراق۔ ایران

جنگ (۱۹۸۸-۱۹۷۹) میں ایران کی ۸۲ ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ عراق میں ایسی عورتوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے جن کے شوہر اس دس سالہ جنگ میں ہلاک ہوئے۔

اسی طرح مثال کے طور پر جیل اور قید کی وبہ سے بھی سماج میں مردوں کی تعداد کم اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے۔ امریکہ کو موجودہ زمانہ میں دنیا کی مہذب ترین سوسائٹی کی حیثیت حاصل ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ امریکہ میں ہر روز تقریباً ۱۳ لاکھ (1,300,000) آدمی کسی نہ کسی جرم میں پکڑے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تعداد وہ ہے جو لمبی مدت تک کے لیے جیل میں ڈال دی جاتی ہے۔ ان سزایافتہ قیدیوں میں دوبارہ ۹۷ فی صد مرد ہی ہوتے ہیں (EB-14/1102)

اسی طرح جدید صنعتی نظام نے حادثات کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں حادثاتی موتیں روزمرہ کا معمول بن گئی ہیں۔ سڑک کے حادثے، ہوائی حادثے، کارخانوں کے حادثے اور دوسرے مشینی حادثے ہر ملک میں اور ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ جدید صنعتی دور میں یہ حادثات اتنے زیادہ بڑھ گیے ہیں کہ اب سیفٹی انجینیرنگ (Safety engineering) کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آگیا ہے۔ ۱۹۶۷ کے اعداد و شمار کے مطابق، اس ایک سال میں پچاس ملکوں کے اندر مجموعی طور پر ۱۷۵۰۰۰ حادثاتی موتیں واقع ہوئیں (EB-16/137) یہ سب زیادہ تر مرد تھے۔

صنعتی حادثات کی موتوں میں، سیفٹی انجینیرنگ کے باوجود، پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر، ہوائی حادثات جتنے ۱۹۸۸ میں ہوئے، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح تمام صنعتی ملکوں میں مستقل طور پر اسلحہ سازی کے تجربات ہو رہے ہیں۔ ان میں برابر لوگ ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔ ان ہلاک شدگان کی تعداد کبھی نہیں بتائی جاتی، تاہم یہ یقینی ہے کہ ان میں بھی تمام تر صرف مرد ہی ہیں جو ناگہانی موت کا شکار ہوتے ہیں۔

اس طرح کے مختلف اسباب کی بنا پر عملی صورت حال اکثر یہی ہوتی ہے کہ سماج میں عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہو، اور مردوں کی تعداد نسبتاً کم ہوجائے۔ امریکہ کی سوسائٹی نہایت ترقی یافتہ سوسائٹی سمجھی جاتی ہے، مگر وہاں بھی یہ فرق پوری طرح پایا جاتا ہے۔ ۱۹۸۷ کے اعداد و شمار کے مطابق، امریکہ کی آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں تقریباً ۷۱ لاکھ (7.8 million) عورتیں زیادہ تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امریکہ کا ہر مرد شادی شدہ ہوجائے تو اس کے بعد بھی امریکہ میں تقریباً ۷۱ لاکھ عورتیں ایسی

باقی رہیں گی جن کے لیے ملک میں غیر شادی شدہ مرد موجود نہ ہوں گے جن سے وہ نکاح کر سکیں۔

دنیا کی آبادی میں مرد اور عورت کی تعداد کے فرق کو بتانے کے لیے یہاں کچھ مغربی ملکوں کے اعداد و شمار دیے جا رہے ہیں۔ یہ اعداد و شمار انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے لیے گیے ہیں :

| COUNTRY | MALE | FEMALE |
|---|---|---|
| 1. Austria | 47.07% | 52.93% |
| 2. Burma | 48.81 | 51.19 |
| 3. Germany | 48.02 | 51.89 |
| 4. France | 48.99 | 51.01 |
| 5. Italy | 48.89 | 51.11 |
| 6. Poland | 48.61 | 51.39 |
| 7. Spain | 48.94 | 51.06 |
| 8. Switzerland | 48.67 | 51.33 |
| 9. Soviet Union | 46.59 | 53.03 |
| 10. United States | 48.58 | 51.42 |

## عورت کی رضامندی

ایک سے زیادہ نکاح کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ آبادی کے اندر عورتیں زیادہ تعداد میں موجود ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنا مطلوب ہے وہ خود بھی اپنی آزادانہ مرضی سے اس قسم کے نکاح کے لیے پوری طرح راضی ہو۔ اسلام میں عورت کی رضامندی مسلّمہ طور پر نکاح کے لیے شرط ہے۔ کسی عورت سے زبردستی نکاح کرنا جائز نہیں۔ اسلام کی نمائندہ تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال نہیں ہے جب کہ کسی مرد کو یہ اجازت دی گئی ہو کہ وہ کسی عورت کو جبراً اپنے نکاح میں لے آئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ لے لی جائے (لا تُنکح البکر حتّی تستأذن، متفق علیہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ نے اس کو اختیار دیا کہ چاہے تو نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو اس کو توڑ دے (عن ابن عباس رض، قال انّ جاریۃً بکراً اتت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فذکرت انّ اباھا زوّجھا وھی کارھۃٌ فخیّرھا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، رواہ ابوداؤد)

عن ابن عباسٍ، قال کان زوج بریرة عبداً اسودَ یقال لہ مغیث۔ کانّی انظرُ الیہ یطوف خلفها فی سِککِ المدینة یبکی ودموعُہ تسیلُ علیٰ لحیتِہ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعباس۔ یا عباسُ، الا تعجبُ مِن حبّ مغیثٍ بریرةَ ومن بغضِ بریرةَ مغیثاً۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو راجعتہ۔ فقالت یارسول اللہ اتامرنی۔ قال انّما اشفعُ۔ قالتْ لاحاجةَ لی فیہِ۔

(رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رض کہتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس کا نام مغیث تھا۔ گویا کہ میں مغیث کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ مدینہ کے راستوں میں بریرہ کے پیچھے چل رہا ہے۔ وہ رو رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی داڑھی تک بہہ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس سے کہا کہ اے عباس، کیا تم کو بریرہ کے ساتھ مغیث کی محبت اور مغیث کے ساتھ بریرہ کی نفرت پر تعجب نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے کہا کہ کاش تم اس کی طرف رجوع کرلو۔ بریرہ نے کہا کہ کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہ نے کہا، مجھے اس کی حاجت نہیں۔

تعدد ازواج کا ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت عمر فاروق رض کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ ایک بیوہ خاتون ام ابان بن عتبہ کو چار مسلمانوں کی طرف سے نکاح کا پیغام ملا جو سب کے سب شادی شدہ تھے۔ ان چار حضرات کے نام یہ ہیں۔ عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، زبیر اور طلحہ۔ ام ابان نے طلحہ کا پیغام قبول کرلیا اور بقیہ تینوں کے لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ام ابان کا نکاح طلحہ سے کر دیا گیا۔

یہ واقعہ مدینہ (اسلامی دارالسلطنت) میں ہوا۔ جن لوگوں کے پیغام کو رد کیا گیا، ان میں وقت کے امیر المومنین کا نام بھی شامل تھا۔ مگر اس پر کسی نے تعجب یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا۔ اور نہ اس بنا پر وہاں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام میں عورت کو اپنے بارہ میں فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ یہ عورت کا ایک ایسا حق ہے جس کو کوئی بھی اس سے چھین نہیں سکتا، حتی کہ وقت کا حکمراں بھی نہیں۔

ان احکام اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں چار کی حد تک نکاح کرنے کی

اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مرد چار عورتوں کو پکڑ کر اپنے گھر میں بند کرلے۔ یہ دوطرفہ رضامندی کا معاملہ ہے۔ وہی عورت کسی شادی شدہ مرد کے نکاح میں لائی جاسکتی ہے جو خود اس کی دوسری یا تیسری بیوی بننے پر بلا اکراہ راضی ہو۔ اور جب یہ معاملہ تمام تر عورت کی رضامندی سے انجام پاتا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق۔ موجودہ زمانہ میں آزادی انتخاب (Freedom of choice) کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلامی قانون میں یہ قدر پوری طرح موجود ہے۔ البتہ "مساواتِ نسواں" کے علم بردار آزادیٔ انتخاب کو پابندیٔ انتخاب کے ہم معنی بنا دینا چاہتے ہیں۔

## مسئلہ کا حل نہ کہ حکم

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اور مرد کی تعداد میں نابرابری ہماری دنیا کا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ وہ جنگ کی حالت میں بھی پایا جاتا ہے اور جنگ نہ ہونے کی حالت میں بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں صنفوں کی تعداد میں نابرابری ہے تو اس نابرابری کے مسئلہ کو کس طرح حل کیا جائے۔ یک زوجگی کے اصول پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جن بیوہ یا غیر بیوہ عورتوں کو شوہر نہ ملیں، وہ اپنی فطرت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے کیا کریں۔ وہ سماج میں کس طرح اپنے لیے ایک باعزت زندگی حاصل کریں۔

ایک طریقہ وہ ہے جو ہندستان کی روایات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی ایسی (بیوہ) عورتیں اپنے آپ کو جلا کر اپنے وجود کو ختم کرلیں۔ تاکہ نہ ان کا وجود رہے اور نہ ان کے مسائل۔ یا پھر ایسی عورتیں گھر سے محروم ہو کر سڑکوں کی بے کس زندگی گزارنے پر راضی ہو جائیں۔ اس اصول پر عمل کرنے کی بنا پر ہندو سماج کا کیا حال ہوا ہے، اس کی تفصیل جاننا ہو تو انڈیا ٹوڈے (۱۵ نومبر ۱۹۸۷) کی ۸ صفحات کی باتصویر رپورٹ ملاحظہ فرمائیں جو اس بامعنی عنوان کے تحت شائع ہوئی ہے کہ بیوائیں، انسانیت کا برباد شدہ ملبہ:

Widows: Wrecks of humanity

اس حل کے بارہ میں یہاں کسی مزید گفتگو کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ مجھے یہ امید نہیں کہ موجودہ زمانہ میں کوئی باہوش آدمی اس طریقہ کی وکالت کر سکتا ہے یا کسی بھی درجہ میں وہ اس کو مذکورہ مسئلہ کا حل سمجھ سکتا ہے۔

دوسری صورت وہ ہے جو مغربی ملکوں کی "مہذب سوسائٹی" میں رائج ہے۔ یعنی کسی ایک مرد کی

دوسری منکوحہ بیوی بننے پر راضی نہ ہونا، البتہ بہت سے مردوں کی غیر منکوحہ بیوی بن جانا۔

دوسری عالمی جنگ میں یورپ کے کئی ملک لڑائی میں شریک تھے۔ مثلاً جرمنی، فرانس، انگلینڈ وغیرہ۔ ان میں مرد بڑی تعداد میں مارے گیے۔ چنانچہ جنگ کے بعد مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں میں جنسی بے راہ روی عام ہوگئی۔ یہاں تک کہ بہت سی بے شوہر عورتوں کے گھروں کے سامنے اس قسم کے بورڈ لکھے ہوئے نظر آنے لگے کہ رات گزارنے کے لیے ایک مہمان چاہیے:

Wanted an evening guest

یہ صورت حال مغرب میں جنگ کے بعد بھی مختلف صورتوں میں بدستور باقی ہے۔ اب اس کو باقی رکھنے کا سبب زیادہ تر صنعتی اور مشینی حادثات ہیں جس کی تفصیل اوپر درج کی گئی۔

## غیر قانونی تعدد ازواج

جن قوموں میں تعدد ازواج کو ناپسند کیا جاتا ہے، ان کو اس کی یہ قیمت دینی پڑی کہ ان کے یہاں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ایک چیز رائج ہوگئی جس کو مسٹریس (Mistress) کہا جاتا ہے۔ ان قوموں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس فطری عمل کو روک سکیں جس کے نتیجہ میں اکثر معاشرہ میں عورتوں کی تعداد زیادہ اور مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ ایک طرف آبادی کے تناسب میں یہ فرق اور دوسری طرف تعدد ازواج پر پابندی، اس دوطرفہ مسئلہ نے ان کے یہاں مسٹریس کی برائی (بالفاظ دیگر، غیر قانونی تعدد ازواج) کو پیدا کر دیا۔

مسٹریس (Mistress) کی تعریف ویبسٹرس ڈکشنری (Webster's Dictionary) میں یہ کی گئی ہے کہ وہ عورت جو کسی مرد سے جنسی تعلق رکھے، اس کے بغیر کہ اس سے اس کا نکاح ہوا ہو:

A woman who has sexual intercourse with and, often, is supported by a man for a more or less extended period of time without being married to him; paramour.

مسٹریس کا یہ طریقہ آج، بشمول ہندستان، تمام ان ملکوں میں رائج ہے جہاں تعدد ازواج پر قانونی پابندی ہے یا سماجی طور پر اس کو برا سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے

کہ تعدد ازدواج کو اختیار کیا جائے یا نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آبادی میں عورتوں کی غیر متناسب تعداد کو کھپانے کے لیے قانونی تعدد ازدواج کا طریقہ اختیار کیا جائے یا غیر قانونی تعدد ازدواج کا۔

## اسلامی طریقہ

اس کے بعد وہ طریقہ ہے جو اسلامی شریعت میں اس مسئلہ کے حل کے لیے بتایا گیا ہے۔ یعنی مخصوص شرائط کے ساتھ کچھ مردوں کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت۔ تعدد ازدواج کا یہ اصول جو اسلامی شریعت میں مقرر کیا گیا ہے، وہ دراصل عورتوں کو مذکورہ بالا قسم کے بھیانک انجام سے بچانے کے لیے ہے۔ بظاہر اگرچہ یہ ایک عام حکم ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھیے کہ عملی طور پر کوئی عورت کسی مرد کی دوسری یا تیسری بیوی بننے پر ہنگامی حالات ہی میں راضی ہو سکتی ہے نہ کہ معمول کے حالات میں، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ حکم دراصل ایک سماجی مسئلہ کے حل کے طور پر وضع کیا گیا ہے۔ وہ فاضل عورتوں کو جنسی آوارگی سے بچا کر معقول اور مستحکم خاندانی زندگی گزارنے کا ایک انتظام ہے۔ بالفاظ دیگر یہ یک زوجگی کے مقابلہ میں تعدد ازدواج کو اختیار کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ تعدد ازدواج اور جنسی بربادی کے درمیان انتخاب کا مسئلہ پیدا ہونے کی صورت میں تعدد ازدواج کو اختیار کرنا ہے۔

تعدد ازدواج کے حکم کو اگر مجرد طور پر دیکھا جائے تو وہ ایک ایسا حکم معلوم ہوگا جو مردوں کی موافقت میں بنایا گیا ہو۔ لیکن اگر اس کو سماج کی عملی صورت حال کے اعتبار سے دیکھئے تو وہ خود عورتوں کی موافقت میں ہے۔ وہ عورتوں کے مسئلہ کا ایک زیادہ معقول اور فطری بندوبست (Arrangement) ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت مردوں کی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک مسئلہ کو حل کرنے کی عملی تدبیر ہے۔ مردوں کے لیے ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتیں زیادہ تعداد میں پائی جا رہی ہوں۔ اگر عورتوں کی تعداد نسبتاً زیادہ نہ ہو تو اس حکم پر عمل کرنا سرے سے ممکن نہ ہوگا۔ پھر کیا اسلام مردوں کی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ایسا اصول بتا سکتا ہے جو سرے سے قابل حصول اور قابل عمل ہی نہ ہو۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) نے بجا طور پر لکھا ہے۔ کہ تعدد ازدواج کے اصول کو اختیار

کرنے کی ایک وجہ جنسی تناسب میں عورتوں کی زیادتی (Surplus of women) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قومیں تعدد ازواج کی اجازت دیتی ہیں یا اس کو پسند کرتی ہیں، ان میں بھی مردوں کی بہت بڑی اکثریت فاضل عورتوں کی محدود تعداد کی وجہ سے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتی ہے:

Among most peoples who permit or prefer it, the large majority of men live in monogamy because of the limited number of women (VIII/97).

اسلام میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت بطور آئیڈیل نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ایک عملی ضرورت (Practical reason) کی وجہ سے ہے، اور وہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آبادی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس زیادہ تعداد کے باعزت حل کے لیے تعدد ازواج کا اصول مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ایک عملی حل ہے نہ کہ نظریاتی آئیڈیل۔

## خلاصۂ کلام

اوپر جو بحث کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی پیدائش کے اعتبار سے مرد اور عورت اگرچہ یکساں تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر بعد کو پیش آنے والے مختلف اسباب کی بنا پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معاشرہ میں مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد زیادہ۔ سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہو۔ جنسی نابرابری کی ناگزیر صورت حال میں دونوں جنسوں کے درمیان صحت مند تعلق کس طرح قائم کیا جائے۔

یک زوجگی (ایک مرد، ایک عورت) کے اصولِ نکاح پر عمل کرنے کی صورت میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی عورتیں باقی رہتی ہیں جن کے لیے معاشرہ میں ایسے مرد موجود نہ ہوں جن سے وہ نکاح کا تعلق قائم کر کے باعزت زندگی گزار سکیں۔ یک زوجگی کا مطلق اصول کسی کو بظاہر خوشنما نظر آسکتا ہے، مگر واقعات بتاتے ہیں کہ موجودہ دنیا میں وہ پوری طرح قابل عمل نہیں۔ گویا ہمارے لیے انتخاب (Choice) ایک زوجہ اور متعدد زوجہ کے درمیان نہیں ہے۔ بلکہ خود متعدد زوجہ کی ایک قسم اور دوسری قسم کے درمیان ہے۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ یہ "فاضل" عورتیں جنسی آوارگی یا معاشرتی بربادی کے لیے چھوڑ دی جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے ایسے مردوں کے ساتھ

ازدواجی رشتہ میں وابستہ ہو جائیں جو ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ عدل کر سکتے ہوں۔

مذکورہ بالا دو ممکن صورتوں میں سے اسلام نے دوسری صورت کا انتخاب کیا ہے۔ اور غیر اسلام نے پہلی صورت کا۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ باعزت اور زیادہ معقول ہے۔

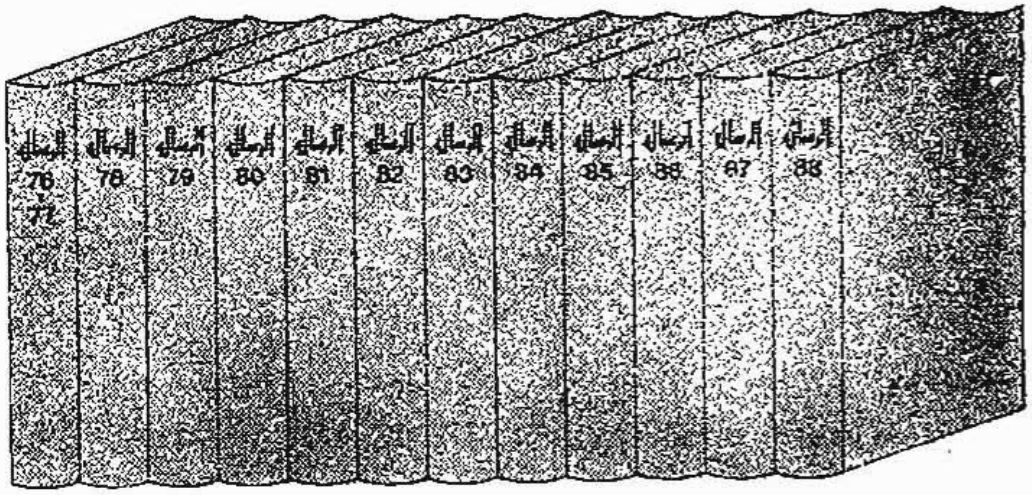

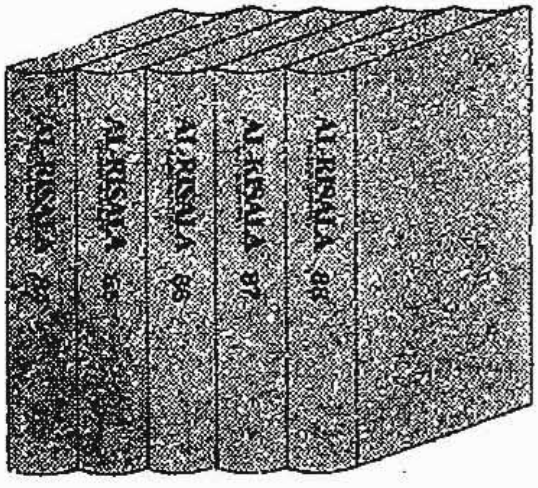








**الرسالہ (مجلد)**

الرسالہ اردو اور انگریزی ایک، ایک سال کی فائل مجلد کروائی گئی ہے۔ فی الحال الرسالہ اردو ۱۹۸۰ سے ۱۹۸۸ تک تیار ہے اور الرسالہ انگریزی کی مکمل فائل ۱۹۸۴ سے ۱۹۸۸ تک تیار ہے۔ ہدیہ فی جلد ۶۰ روپیہ

# ایک سفر

صنعاء (یمن)، جنوبی عرب کا ایک تاریخی شہر ہے جو دنیا کی قدیم ترین آبادیوں میں شمار ہوتا ہے۔ قدیم زمانہ میں، وہ اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک قابل دید شہر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک عرب شاعر کا شعر ہے کہ صنعاء ضرور جانا چاہیے، خواہ اس کے لیے کتنا ہی لمبا سفر کرنا پڑے:

لابُدّ من صنعاء وان طال السفر

صنعاء میں ۲۹ اکتوبر — ۲ نومبر ۱۹۸۸ کو ایک بین اقوامی اسلامی کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا اہتمام یمن کی وزارت اوقاف نے کیا تھا۔ کانفرنس کی دعوت پر اس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ ذیل میں اس سفر کی روداد درج کی جاتی ہے۔

بیرونی سفر میں سب سے پہلا مرحلہ ویزا کا ہوتا ہے۔ میرے پاسپورٹ پر یمن کا ویزا لگ کر آیا تو معلوم ہوا کہ صفحات کے اعتبار سے یہ اس کا آخری ویزا تھا۔ اب اس پاسپورٹ میں مزید اندراج کی گنجائش نہیں۔ گویا باعتبار ضخامت وہ اکتوبر ۱۹۸۸ میں ختم ہو گیا، جب کہ باعتبار مدت اس کی تاریخ فروری ۱۹۸۹ تک باقی تھی۔ اسی طرح زندگی میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے حوصلے زیادہ ہوتے ہیں، مگر وسائل اس کی نسبت سے کم ہوتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ وسائل کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لیے زندگی کا راستہ نکالے۔ پاسپورٹ کی تاریخ زیادہ ہو تب بھی وہ اس وقت سفر کے لیے بیکار ہے جب کہ اس کے صفحات کی مقدار ختم ہو گئی ہو۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۸ کی شام کو ۸ بجے گھر سے روانگی ہوئی۔ راستہ میں ایک تجربہ گزرا۔ اس کے بعد آجکل کے معاشرہ کے بارہ میں سوچتے ہوئے میری زبان سے نکلا: آہ، کوئی آدمی آدمی نہیں، ہر آدمی غیر آدمی ہے۔ ایرپورٹ پہونچ کر اندر داخل ہوا تو ایرپورٹ کے عملہ کے دو آدمی اپنے افسر کے کسی حکم کے بارہ میں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا "پھر کیا پرابلم ہے" دوسرا شخص بولا: "پرابلم کیا ہے، جو افسر کہے گا وہی کرنا ہوگا"۔

میں نے سوچا کہ انسان اس بات کو جانتا ہے کہ اس کو افسر کے کہے پر چلنا ہے۔ مگر انسان اس بات کو نہیں جانتا کہ اس کو خدا کے کہے پر چلنا ہے۔ آج کا انسان خدا کی ماتحتی قبول کرنے کے

لیے تیار نہیں۔ حتی کہ وہ لوگ بھی نہیں جو خدا کا جھنڈا اٹھانے ہی کو اپنا مشغلۂ حیات بنائے ہوئے ہیں۔ افسر کے معاملہ میں انسان کا حال یہ ہے کہ "پرابلم" ہو تب بھی وہ اس کی اطاعت کرتا ہے مگر خدا کے معاملہ میں صورت حال اس کے برعکس ہے ——— اگر پرابلم نہ ہو تو وہ خدا کے حکم کو مانے گا۔ اور اگر پرابلم پیش آجائے تو وہ خدا کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے گا۔

دہلی سے کراچی تک کا سفر پی آئی اے کی فلائٹ ۲۷۳۲ کے ذریعہ ہوا۔ جہاز کے کیپٹن ضیاء الاسلام تھے۔ پی آئی اے کے جہاز کی صفائی اور اس کا انتظامی معیار انڈین ایرلائنز سے بہتر نظر آیا۔ پی آئی اے کے میگزین (ہم سفر) کے سرورق پر عالمی معیار کے مطابق (Your personal copy) لکھا ہوا تھا۔ جب کہ انڈین ایرلائنز کے میگزین نمسکار پر اس قسم کا اندراج نہیں ہوتا۔ البتہ ایک چیز دونوں میں مشترک تھی۔ نمسکار میں انگریزی کے ساتھ ہندی مضامین کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم سفر میں انگریزی کے ساتھ اردو کا۔ مگر دونوں میں انگریزی زبان کا حصہ زیادہ تھا اور اپنی قومی زبان کا حصہ اس کے مقابلہ میں کم۔ دونوں ملک ایک دوسرے کی برتری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مگر عین اسی وقت وہ بیرونی تہذیب کی برتری کو فخر کے ساتھ قبول کیے ہوئے ہیں۔

جہاز اپنے ٹھیک وقت پر ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ پر روانہ ہوا۔ تاہم اس کی بیشتر سیٹیں خالی تھیں۔ اس قسم کے مسافر جہازوں کو تجارتی پرواز (کمرشیل فلائٹ) کہا جاتا ہے۔ مگر دنیا بھر میں اڑنے والے جہازوں کی بہت بڑی تعداد عملاً نان کمرشیل فلائٹ ہوتی ہے۔ یہ دراصل ان پروازوں کا بالواسطہ فائدہ ہے جس کی وجہ سے انھیں جاری رکھا گیا ہے۔ اس دنیا میں اکثر کسی کام کو اس کے بالواسطہ فائدے کی خاطر کرنا پڑتا ہے، خواہ بظاہر اس سے کوئی براہ راست فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔

کراچی سے صنعا کا سفر یمن ایرلائنز کی فلائٹ ۷۵۵ کے ذریعہ ہوا۔ راستہ میں خلیج ٹائمز (۳۰ اکتوبر ۱۹۸۸) پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ انگریزی روزنامہ دوبئی سے نکلتا ہے۔ اس میں ایک ہندستانی مسلمان (مقیم راس الخیمہ) کا مضمون تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ ہندستانی مسلمانوں کا مسئلہ قیادت کے فقدان (Lack of leadership) کا مسئلہ ہے۔

مگر میرے نزدیک یہ ادھوری بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ مخصوص اسباب کی بنا پر ہندستان کے مسلمانوں کی نفسیات کچھ اس طرح کی ہوگئی ہے کہ لفظی جوش دکھانے والے سطحی لیڈروں کی باتیں ہی ان کو اپیل کرتی ہیں جو مسلمانوں کو بربادی کے سوا کہیں اور نہ لے جاسکیں۔ اس کے مقابلہ میں جو رہنما سنجیدہ اور تعمیری بات کریں وہ مسلم عوام کے درمیان مقبولیت حاصل نہیں کرتے مسلمانوں کی یہی بے شعوری ان کا اصل مسئلہ ہے، ہندستان میں بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا مسئلہ فقدانِ شعور ہے نہ کہ فقدانِ قیادت۔

کراچی سے یمن کے سفر میں جہاز کے اندر ایک عرب مسافر سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ کویت کا عربی اخبار الانباء (۱۹ اکتوبر ۱۹۸۸) تھا۔ اس کے آخری صفحہ پر خالد قطمہ کے قلم سے ایک دلچسپ مضمون درج تھا جس کا عنوان تھا وَلَوْ (اور اگر)۔ مضمون نگار نے لکھا تھا کہ عرب ممالک کے ہوائی اڈوں پر "مخدرات" سے بھی زیادہ جس چیز کی جانچ ہوتی ہے اور جس کو عرب امن اور مقاصد امت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار (اخطر سلاح) سمجھا جاتا ہے وہ "کتاب" ہے۔ اگر آپ کسی ہوائی اڈہ سے گزریں تو جانچ والا آدمی آپ کے حقیبہ کو کھولے گا اور اس کو ٹٹول کر دیکھے گا۔ اگر وہ اس میں کوئی کتاب پاگیا تو وہ اس کو اس طرح لے گا جیسے کہ اس نے کوئی ٹائم بم دیکھ لیا ہو (کأنہ شاهد قنبلة موقوتة) اس کے بعد آپ نہایت بے چارگی کے ساتھ اس کے فیصلہ کا انتظار کریں گے کہ وہ آپ کی کتاب کو ممنوع الدخول قرار دیتا ہے یا آپ اور آپ کی کتاب دونوں کو۔

مضمون نگار نے اپنا بخار نظام (حکومت) پر اتارا تھا۔ مگر میرے نزدیک اس کی ساری ذمہ داری ان نام نہاد مسلم مفکرین پر ہے جنھوں نے اسلام کی سیاسی تفسیر کرکے اسلامی دعوت کو سیاسی انقلاب کے ہم معنی بنادیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم ملکوں کے حکمراں اب "اسلامی دعوت" کا نام لینے والوں کو سیاسی اپوزیشن کے طور پر دیکھتے ہیں اور خطرہ سمجھ کر فوراً انھیں دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلم مفکرین کی اس خود ساختہ تشریح نے اب مسلم ملکوں میں اسلام کا کام کرنے کو بڑی حد تک ناممکن بنادیا ہے۔

موجودہ زمانہ کے مسلم مفکرین اگر غیر سیاسی اسلام پیش کرتے جس کی ایک مثال تبلیغی جماعت کی صورت میں نظر آتی ہے تو مسلم داعی کو مسلم ملکوں میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا اور کام کے تمام

بہترین مواقع اس کو حاصل رہتے۔ مگر ان کے "سیاسی اسلام" نے خود اپنی ہی دنیا کو اسلام کے لیے ایک قسم کا قید خانہ بنا دیا ہے۔

صنعار (یمن) کے ہوائی اڈہ پر اترا تو ۳۱ اکتوبر کا سورج نکل رہا تھا۔ یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ کاؤنٹر پر ضروری اندراجات کرانے کے بعد میں عام گیٹ سے باہر آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کانفرنس کا کوئی آدمی میری رہنمائی کرنے اور ساتھ لے جانے کے لیے موجود نہیں ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد میں پولیس (شُرطہ) کے دفتر میں گیا۔ صنعار کے روزنامہ الثورۃ (۳۰ اکتوبر ۱۹۸۸) کے صفحہ اول پر مذکورہ کانفرنس کے افتتاح (۲۹ اکتوبر) کی روداد نمایاں طور پر شائع ہوئی تھی۔ یہ افتتاح یہاں کے صدر (رئیس) علی عبداللہ الصالح نے کیا تھا۔ اس اخبار کو میں نے پولیس افسر کو دکھایا اور کہا کہ میں اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔ مگر یہاں کوئی شخص مجھے رسیو کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ ایک صاحب مجھے تلاش کرتے ہوئے پولیس کے دفتر میں آگئے۔

یہ عبدالرحمٰن اسماعیل الشیبی (مدیر الحج والمؤتمرات) تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہم گاڑی لے کر وی آئی پی لاؤنج میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر مذکورہ مقام پر پہنچا۔ اور ان کے ساتھ ہوٹل تک آیا۔

اس واقعہ کے بعد دل بھر آیا۔ دنیا کے اس تجربہ سے میرا ذہن آخرت کی طرف مڑ گیا۔ زبان سے بے اختیار نکلا: کیسا عجیب ہوگا اگر آخرت میں ایسا ہو کہ میں اپنے احساسِ عجز اور احساسِ تقصیر کے تحت عام دروازہ سے گردن جھکا کر نکل رہا ہوں۔ اس وقت فرشتے میرے پاس آئیں اور کہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ——— میرے بندے کو ادھر لے آؤ اور اس کو خاص دروازہ سے نکالو، ہم نے یہاں اس کے لیے خصوصی انتظام کر رکھا ہے۔

صنعار میں میرا قیام شیراٹن ہوٹل (کمرہ ۳۳۰) میں تھا۔ یہ ہوٹل پہاڑی سے متصل ہے۔ اس میں ایک نئی چیز یہ دیکھی کہ عام ہوٹلوں میں رسپشن گراؤنڈ فلور پر ہوتا ہے۔ مگر اس ہوٹل میں رسپشن چھٹی منزل پر تھا۔ اس کی نیچے کی منزلیں ایک طرف پہاڑ سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چھٹی منزل پر زمین کی سطح ملتی تھی، چنانچہ چھٹی منزل پر رسپشن اور آمد و رفت کے راستے بنائے گئے تھے۔ ہوٹل کے اس نظام کو دیکھ کر دل نے کہا: اس دنیا میں کبھی نیچے سے راستہ نکالنا ہوتا ہے اور کبھی اوپر

سے۔ اس "فرق" کو جاننے ہی میں زندگی کی تمام بڑی بڑی کامیابیوں کا راز چھپا ہوا ہے۔

ہوٹل کے کمرہ میں ایک فولڈر تھا۔ اس کا عنوان تھا : ضیفنا الکریم (Dear guest) اس میں بہت سے سوالات تھے اور "مہمان" سے گذارش کی گئی تھی کہ جب وہ ہوٹل سے جانے لگے تو اس کو بھر کر استقبالیہ میں چھوڑ دے۔ ان سوالات کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے تجربہ میں ہمارے ہوٹل کو کیسا پایا۔ ہمارے عملہ کی کارکردگی، ہمارے کمروں کا نظام، ہماری سروس وغیرہ کے بارہ میں جو تجربات آپ پر گزرے ہوں ان کو سوالات کے آگے تحریر کر دیں۔ اسی فولڈر کا ایک حصہ موظفونا وعمالنا (Our people) عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں تھا۔ اس میں مختلف پہلوؤں سے پوچھا گیا تھا کہ ہمارے ہوٹل کے عملہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا :

Gave you a friendly greeting upon arrival
Were courteous and helpful at the front desk
Smiled and greeted you each time they saw you
Performed their jobs quickly and efficiently
Were enthusiastic about their jobs
Took personal responsibility to answer your questions
Helped you without being asked, anticipated your needs
Took personal responsibility to resolve your problems
Were friendly and hospitable
Showed that they wanted you to come back
Overall, how well did our people perform?

اس کو پڑھ کر بے اختیار دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ میں نے سوچا کہ دنیا کے فائدے کے لیے آدمی کتنا زیادہ اہتمام کرتا ہے، مگر آخرت کے فائدے کے لیے لوگ کسی اہتمام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ دکاندار اور گاہک کا جو رشتہ ہے، وہی اخروی طور پر داعی اور مدعو کا رشتہ ہے۔ مگر آج کوئی داعی نہیں جو اپنے مدعو کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے جو ہوٹل کا مالک اپنے گاہکوں کے ساتھ کر رہا ہے۔

دل نے کہا: لوگ اپنی دنیا کی خاطر لوگوں سے مسکرا رہے ہیں۔ مگر خدا کی خاطر لوگوں سے مسکرانے والا کوئی نہیں۔ دکاندار اپنے گاہک کا استقبال کرنے کے لیے بے قرار ہے مگر داعی کو اپنے مدعو کا استقبال کرنے سے کوئی دل چسپی نہیں۔ دنیا کی اقوام سے مسلمانوں کا یہی غیر داعیانہ سلوک ان کا سب سے بڑا جرم ہے۔ مسلمان جب تک اس معاملہ میں اپنی اصلاح نہ کریں، وہ خدا کی رحمتوں

کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ خدا اسی شخص کا مسکرا کر استقبال کرتا ہے جس نے خدا کی خاطر اس کے بندوں کا مسکرا کر استقبال کیا ہو۔

کئی منزلہ عمارتوں میں ایک مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ آگ لگنے کی صورت میں اس میں رہنے والے لوگوں کو کس طرح بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے اونچی عمارتوں میں مختلف قسم کی ضروری ہدایات جگہ جگہ درج ہوتی ہیں۔ ہوٹل میں ایک جگہ یہ ہدایت لکھی ہوئی نظر آئی :

فی حالة نشوب الحريق عليك استعمال السلم وعدم استعمال المصعد

یعنی اگر عمارت میں آگ لگ جائے تو عمارت سے نکل کر باہر جانے کے لیے لفٹ (Elevator) استعمال نہ کریں بلکہ سیڑھیوں کے ذریعہ اتریں۔ اس ہدایت کی ضرورت اس لیے ہے کہ عمارت میں آگ لگنے کی صورت میں بجلی فیل ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں آدمی اگر لفٹ کے اندر داخل ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو آگ کے قید خانہ میں بند کر لے گا۔ اس کے بعد اس کے زندہ بچنے کی رہی سہی امید بھی ختم ہو جائے گی۔

لفٹ عام حالت میں تیزی کے ساتھ چڑھنے اترنے کا ذریعہ ہے۔ مگر عمارت میں آگ لگنے کی صورت میں معاملہ الٹا ہو جاتا ہے۔ اب آدمی کے لیے تیز رفتار ذریعہ کے مقابلہ میں سست رفتار ذریعہ زیادہ کارآمد بن جاتا ہے ——— تیز سفر بظاہر بہت اچھی چیز ہے۔ مگر بعض اوقات تیز سفر موت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور سست سفر زندگی کا ذریعہ۔

یمن اس وقت دو حصوں میں تقسیم ہے۔ جنوبی یمن اور شمالی یمن۔ جنوبی یمن پر مارکسی ذہن رکھنے والوں کا قبضہ ہے۔ مگر شمالی یمن میں اسلامی فکر کے لوگ چھائے ہوئے ہیں۔ میرا سفر شمالی یمن میں ہوا۔ ایک صاحب نے میری عربی کتابوں کی فہرست مانگی۔ فہرست بتاتے ہوئے میں نے کہا کہ "ایک کتاب کا نام سقوط الماركسية ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ کے یہاں پسند کی جائے گی یا نہیں"۔ انھوں نے فوراً کہا کہ مارکسی حکومت جنوبی یمن میں ہے۔ ہمارے یہاں (شمالی یمن میں) اسلامی شورائی نظام ہے (الحكم الماركسي في جنوب اليمن اما اليمن الشمالية فالحكم فيها شوروي اسلامي) شمالی یمن میں کافی ترقیاتی کام جاری ہیں۔ یہ سب زیادہ تر سعودی عرب، کویت اور عرب امارات وغیرہ کے تعاون سے ہو رہے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ یمن کا وفد مدینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اَتاکُم اهلُ اليمن۔ هم اَرَقُّ افئِدةً و اَلْيَنُ قلوباً۔ الایمان یمانٍ والفقه یمانٍ والحکمۃ یمانیۃ (بخاری و مسلم) یعنی تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں۔ وہ رقیق القلب ہیں اور نرم دل ہیں۔ ایمان تو یمن والوں کا ہے، سمجھ یمن والوں کی ہے، حکمت یمنی حکمت ہے۔

اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، وہ مطلق معنوں میں نہیں ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان اور تفقہ اور حکمت ہمیشہ کے لیے یمن والوں کی خصوصیت ہے۔ اس کا مقصد دراصل ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے۔ یہ ایک وقتی کلمہ ہے نہ کہ کوئی ابدی قانون۔ جو لوگ اس حقیقت کو نہ جانیں، وہ احادیث کو سمجھنے میں سخت غلطی کریں گے۔

قرآن کی سورۃ نمبر ۸۵ میں "اصحاب اخدود" کا ذکر ہے۔ یعنی قدیم زمانہ کے کچھ خدا پرست جن کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھے میں ڈال کر وحشیانہ طریقہ سے ہلاک کر دیا گیا تھا (البروج)۔

اصحاب اخدود کون لوگ تھے، ان کے بارہ میں قطعیت کے ساتھ کوئی چیز ثابت نہیں۔ تاہم ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح کے پیروؤں کے ساتھ یمن میں ہوا۔ یہ غالباً ۵۲۳ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت یمن میں ایک یہودی بادشاہ ذونواس کی حکومت تھی۔ اس نے یمن کے عیسائیوں کو یہودی بنانا چاہا۔ وہ لوگ اس کے لیے راضی نہیں ہوئے۔ یہودی بادشاہ ان پر سخت برہم ہوا اس نے کچھ عیسائیوں کو قتل کر دیا اور کچھ کو آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ مجموعی طور پر ان کی تعداد ۲۰ ہزار بتائی جاتی ہے۔

روایات بتاتی ہیں کہ ان یمنی عیسائیوں میں سے ایک شخص (ذوثعلبان) بھاگ کر باہر چلا گیا۔ اس نے روم کے عیسائی بادشاہ قیصر اور حبش کے عیسائی حکمراں نجاشی کو اس ظالمانہ واقعہ کی اطلاع دی۔ اس کے بعد حبش کی حکومت نے اپنے فوجی سردار ارياط کی رہنمائی میں ۷۰ ہزار حبشیوں کی فوج تیار کی۔ رومی سلطنت نے بحری بیڑہ دیا جس کے ذریعہ فوج یمن کے ساحل پر اتاری گئی۔ اس نے لڑکر ذونواس کی فوج کو شکست دی اور ذونواس کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح یمن سے یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ واقعہ ۵۲۵ء میں پیش آیا۔ اس کے بعد یمن پر حبش کی عیسائی حکومت کا اقتدار قائم ہو گیا۔ ظلم ہر شخص کے لیے ممکن ہے۔ مگر ظلم پر کھڑا ہونا کسی شخص کے لیے ممکن نہیں۔

ارياط کے بعد ابرہہ یمن کا حکمراں ہوا۔ یہی ابرہہ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ پہلے ہاتھیوں کی فوج لے کر مکہ آیا تھا تاکہ کعبہ کو ڈھا دے۔ اس نے یمن کے دار السلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا کلیسا (Ekklesia) بنوایا جیسا اب تک کسی عیسائی نے نہیں بنوایا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ میں اس وقت تک رکنے والا نہیں ہوں جب تک عرب کے حج کو اس کی طرف پھیر نہ دوں (لست بمنتہ حتی اصرف الیہا حج العرب، سیرۃ ابن ہشام، اول ۴۳)

روایات کے مطابق غالباً ۵۷۱ء میں وہ ۶۰ ہزار فوج کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی فوج میں ایک درجن بڑے بڑے ہاتھی بھی شامل تھے۔ اس لیے اس کو اصحاب فیل کہا گیا ہے مگر جیسا کہ سورہ الفیل میں بتایا گیا ہے، ابرہہ اور اس کا لشکر خدائی عذاب کے تحت تباہ ہو گیا اور مکہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ابن سبا جس کے فتنوں نے اسلامی تاریخ کو شاید سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ وہ اسی صنعاء کا رہنے والا تھا۔ وہ ایک یہودی تھا۔ اس کا پورا نام عبداللہ بن سبا المعروف بہ ابن السوداء تھا وہ خلیفہ سوم حضرت عثمان کا ہم عصر تھا۔ اس نے یہ نظریہ نکالا کہ ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے جو اس کے بعد اس کا خلیفہ بنتا ہے۔ محمدؐ کے وصی علی ابن ابی طالب ہیں۔ جس طرح محمد خاتم الانبیاء ہیں، اسی طرح علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ محمدؐ کی وفات کے بعد لوگوں نے علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنا کر سخت غلطی کی ہے۔ اب سب کو چاہیے کہ موجودہ خلیفہ (عثمانؓ) کو قتل یا معزول کر دیں اور ان کی جگہ علیؓ کو خلیفہ بنائیں۔

صنعاء میں اس فتنہ کو پھیلانے کے زیادہ مواقع نہیں تھے۔ چنانچہ وہ صنعاء کو چھوڑ کر مدینہ آگیا۔ یہاں کے حالات بھی اس کے موافق نہ تھے۔ اس کے بعد وہ بصرہ گیا۔ پھر کوفہ اور دمشق پہونچا۔ لیکن ہر جگہ کے حالات اس کو اپنے خلاف نظر آئے۔ آخر میں وہ مصر پہنچا۔ اس وقت عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح مصر کے گورنر تھے، عبداللہ کی بعض باتوں سے یہاں کے لوگوں کو کچھ شکایات تھیں۔ انھیں شکایتوں نے ابن سبا کو مصر میں کام کرنے کا موقع دے دیا۔ اس نے لوگوں کے

جذبات کو ابھار کر مصر میں ایک عام شورش برپا کر دی جس کا آخری نتیجہ حضرت عثمانؓ کا قتل تھا۔

حکمراں کے خلاف ایجی ٹیشن کی مہم چلانا اور سیاسی شکایتوں کو بیان کر کے عوام کو بھڑکانا، یہ تمام تر ابن سبا کی سنت ہے۔ یہ سنت آج بھی مسلمانوں میں پورے زور وشور کے ساتھ جاری ہے۔ حتی کہ موجودہ زمانہ میں جن مسلم رہنماؤں نے عمومی شہرت حاصل کی، وہ تقریباً سب کے سب وہی ہیں جو ابن سبا کے اس مجرب نسخہ کو استعمال کر کے شہرت اور مقبولیت کے مقام تک پہونچے ہیں۔

یمن میں ایک چھوٹا سا قصبہ مارب کے نام سے آباد ہے۔ کسی وقت یہاں عالی شان شہر قائم تھا۔ قرآن میں قوم سبا کا ذکر ہے۔ اس کا مرکز یمن کا قدیم شہر مارب تھا۔ اس کا زمانہ ۱۱۵ قبل مسیح کے بعد سے ایک ہزار سال تک پھیلا ہوا ہے۔ تجارت اور زراعت میں غیر معمولی ترقی کی وجہ سے اس وقت وہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم کی حیثیت رکھتی تھی۔ مگر آج دنیا کے اقتصادی نقشہ پر یمن کو کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہیں۔

سبا کی قوم جنوبی عرب پر حکمراں تھی۔ تاریخ میں ان کو سبائی (Sabaean) کہا جاتا ہے۔ (1/1044) ساتویں صدی عیسوی میں یہ قوم اپنے آخری عروج پر تھی۔ اس نے سدِ مارب (Marib Dam) بنا کر اپنی زراعت کو زبردست ترقی دی جس کا ذکر قرآن میں سورۂ سبا میں آیا ہے۔ یہ علاقہ اس وقت اتنا سرسبز اور خوش حال ہو گیا کہ مورخین اس کو دورِ قدیم کا پیرس (Paris of the ancient world) کہتے ہیں۔

سدِ مارب تقریباً چودہ میٹر اونچا اور ۶۰۰ میٹر لمبا تھا۔ وہ ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک یمن کی آبپاشی کا ذریعہ بنا رہا۔ (5/441) دورِ قدیم کے اعتبار سے وہ اتنا شاندار تھا کہ قوم سبا کے لوگ اس پر فخر کرتے تھے۔ حتی کہ اپنی ترقی اور خوش حالی کی وجہ سے ان میں سرکشی پیدا ہو گئی۔ اس وقت چھٹی صدی عیسوی میں بند کے اندر شگاف ظاہر ہوئے۔ یہ ابتدائی وارننگ تھی۔ مگر قومِ سبا اس سے ہوش میں نہیں آئی۔ اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی میں سخت زلزلہ آیا اور بند سمیت پورا علاقہ ویران ہو گیا۔

صنعاء ایک تاریخی شہر ہے جو یمن کی راجدھانی ہے۔ صنعاء حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۶۳۲ میں

اسلامی سلطنت کا حصہ بنا۔ یہ پورا شہر پہاڑ کے دامن میں بسا ہوا ہے۔ ۱۵۱۶ء سے وہ عثمانی ترکوں کے تحت تھا۔ یہ قبضہ ۱۹۱۳ء میں ختم ہوا۔ ۱۹۶۲ میں یہاں فوجی انقلاب آیا اور "امام" کی جگہ موجودہ حکومت قائم ہوئی۔ پہلے یہاں یہودی بھی آباد تھے۔ ۵۰-۱۹۴۹ میں تمام یہودی باشندے یمن کو چھوڑ کر اسرائیل چلے گئے۔ یہاں تمام ترقیاتی کام "انقلاب" کے بعد ہوئے ہیں۔ چنانچہ صنعاء یونیورسٹی ۱۹۷۰ میں قائم ہوئی۔

یمن میں ایک چیز نظر آئی جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہر آدمی اپنے بیٹ پر سینگ کی مانند یا انگریزی حرف جے (J) کی شکل کی ایک چیز باندھے ہوئے تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ خنجر ہے جس کو یہاں کی زبان میں الجنبیۃ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں ہر آدمی اپنے ساتھ ایک تلوار رکھتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں خنجر نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ تاہم وہ صرف علامت کے طور پر ہوتا ہے۔ اس کو کبھی لڑائی بھڑائی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ حتی کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کو سخت جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔

ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں جو شخص اس کو نہ لگائے وہ کمزور شخصیت کا آدمی سمجھا جائے گا۔ بنیادی طور پر وہ بطور زینت کے استعمال ہوتا ہے (من لا یحملها یعتبر ذو شخصیۃ ضعیفۃ وهي تُلبسُ اساساً کالزینۃ)

تاہم اس رسمی خنجر کا بہت بڑا فائدہ ہے۔ یہ اگرچہ مارنے کے لیے کبھی استعمال نہیں ہوتا۔ مگر وہ یہاں کے بیشتر آپس کے جھگڑے ختم کر دیتا ہے۔ بہت کم جھگڑے ہیں جن کو عدالت میں لے جانے کی نوبت آتی ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ دو آدمیوں میں آپس کا جھگڑا ہو، خواہ وہ قتل کا ہو یا ایک ملین ڈالر کا ہو۔ دونوں اپنے قبیلہ کے سردار کے پاس جائیں گے، اور اپنے اپنے "خنجر" کو نکال کر سردار کے سامنے رکھ دیں گے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہوگی کہ سردار جو بھی فیصلہ کر دے، وہ اس کو لازماً تسلیم کریں گے، خواہ وہ اپنے موافق ہو یا اپنے خلاف۔ یہاں کے ۸۰ فی صد جھگڑے اسی طرح عدالت میں جائے بغیر طے ہو جاتے ہیں۔

یہ روایات کی طاقت کا نتیجہ ہے۔ ہندستان میں آزادی کے بعد تمام روایات ٹوٹ گئیں، اور کوئی نئی روایت قائم نہیں ہوئی۔ یہی سب سے بڑی کمی ہے جو آج کے ہندستان میں پائی جاتی ہے۔

۳۱ اکتوبر کی دوپہر کو عبداللہ الصالح (رئیس جمہوریہ یمن) سے یہاں کے "قصر" میں ملاقات ہوئی۔ یہ اجتماعی ملاقات تھی۔ فرداً فرداً ملاقات کے بعد رئیس نے ایک مختصر خطاب کیا۔ اس میں انھوں نے اس تصور کو پسند کیا کہ اسلام کو ایک دعوتی قوت کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت بہت سی اسلامی جماعتیں اسلام کے نام پر سیاسی جھگڑوں میں مشغول ہیں۔ اس کے بجائے اگر وہ دعوتی محاذ پر کام کریں تو یہ ان کی صلاحیتوں کا زیادہ بہتر استعمال ہوگا۔

۳۱ اکتوبر کی شام کو سبا ہوٹل (Taj Sheba Hotel) میں ایک خصوصی میٹنگ ہوئی۔ اس میں کانفرنس کے بیرونی شرکاء اور یمن کے مقامی علماء جمع ہوئے۔ کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد قاضی علی العثمان (وزیر الاوقاف) نے ابتدائی خطاب کیا۔ وہ خالص عالمانہ حلیہ میں تھے۔ اس موقع پر وزارت اوقاف کے اکثر ذمہ داران موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ وزیر، نائب وزیر اور دوسرے اکثر تعلیم یافتہ افراد میری کتابیں پڑھے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا شدید اصرار تھا کہ میں کانفرنس کے بعد مزید ٹھہروں تاکہ یہاں کی یونیورسٹی اور دوسرے اداروں میں میرے محاضرات رکھوائے جائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ لوگوں کو جب معلوم ہوگا کہ آپ یہاں آئے تو ان کو سخت شکایت ہوگی کہ آپ سے ملاقات اور محاضرہ کا پروگرام کیوں نہیں رکھوایا گیا۔ مگر وقت کی کمی کے باعث میں نے عذر کر دیا۔ سبا ہوٹل کے جس ہال میں اس ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا، وہاں دیوار پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا:

الدعوۃ الی اللہ : رسالۃ الانبیاء ومیراث العلماء ونہج الصالحین

اس نشست میں تقریباً ۵۰ آدمی شریک ہوئے۔ مگر لوگوں کی گفتگوؤں سے ایسا معلوم ہوا کہ کسی پر پوری طرح یہ واضح نہیں ہے کہ "دعوت الی اللہ" کیا ہے۔ اکثر لوگ دعوت سے آغاز کر کے مبشرین اور مستشرقین اور صہیونیین کے پیدا کردہ مسائل پر اظہار خیال کرنا شروع کر دیتے۔ حالاں کہ یہ سب دفاعی مسائل ہیں نہ کہ دعوتی مسائل۔

ایک صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر شروع کی: ھل لنا ان نتسائل ما ھو دور العلماء الیوم فی ایقاظ الامۃ ودفعھا لاقامۃ حضارۃ اسلامیۃ جدیدۃ (کیا ہم اپنے آپ سے یہ سوال کریں گے کہ امت کو بیدار کرنے میں اور اسلامی تہذیب کو قائم کرنے میں علماء کا رول کیا ہے)۔ مگر چند جملوں کے بعد ہی ذہن کی گاڑی "حل مشاکل" اور مقابلۂ اعداء کے

رخ پر چل پڑی۔ موجودہ زمانہ میں ہر جگہ کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ کام کے نام سے صرف ایک چیز کو جانتے ہیں اور وہ مقابلہ اعدا رہے۔ دعوتِ اعدا کی اہمیت نہ ان کے اصاغر کو معلوم ہے اور نہ ان کے اکابر کو۔

کانفرنس میں زیادہ تر انھیں امور پر بحث ہوئی جن کو ہندستان میں "مسائلِ ملت" کہا جاتا ہے۔ اس کے ایک اجلاس میں کسی موضوع پر مشاورتی بحث ہو رہی تھی۔ ہر آدمی نیا نیا نکتہ نکال کر بحث کو لمبا کر رہا تھا۔ صدر جلسہ نے اپنی طرف سے ایک آخری تجویز پیش کی اور رد عمل کا انتظار کیے بغیر فوراً کہا: اذا لم یکن ھناک اعتراض فیعتبر انّ ھناک موافقۃ (اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے) یہ کہہ کر کارروائی آگے بڑھا دی۔

مشاورتی مجالس میں یہی طریقہ درست ہے۔ ہر شخص جس نے اس طرح کی مجالس میں شرکت کی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگ اتنی زیادہ بحثیں نکالتے ہیں کہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ بات کسی خاتمہ پر پہونچنے والی نہیں۔ ایسی حالت میں بات کو ختم کرنے کی صورت وہی ہے جس کی ایک مثال مذکورہ واقعہ میں نظر آتی ہے۔

یہاں کے اجتماع میں اور دوسری اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کے بعد میں اس رائے پر پہنچا ہوں کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں پر "خطرات" کا ذہن سوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں "مواقع" دکھائی نہیں دیتے۔ اور بلاشبہ یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ بے شمار سرگرمیوں کے باوجود اب تک احیاءِ اسلام اور تعمیرِ ملت کا عمل ان کے درمیان شروع نہ ہو سکا۔ اس کا منزل پر پہونچنا تو درکنار۔

- امریکہ میں ایک شخص نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔
- غانا میں ایک شخص نے نیا مذہب نکالا ہے جس کا مقصد تمام مذہبی کتابوں (بشمول قرآن) کو جلانا ہے۔
- انگلینڈ میں ایک شخص نے مضمون شائع کیا ہے جس میں پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کی گئی ہے۔
- فلاں مسلم حکمراں مسلمان نہیں ہے، وہ یہودی ہے، وغیرہ

مسلمان ہر جگہ بس اسی قسم کے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ اب تک زندگی کے اس راز کو نہ جان سکے کہ اس قسم کے "مسائل" ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور ہر زمانہ میں لازماً باقی رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ ہمارا کام اس قسم کے "خطرات" کا انکشاف کرنا نہیں ہے۔ ہمارا مقصد ان مواقع کار کو تلاش کرنا ہے جو ہر حال اور ہر مقام پر موجود رہتے ہیں۔ ہمیں خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے مواقع کو استعمال کرنا چاہیے۔ یہی زندگی کا راز ہے۔ اسی تدبیر کے ذریعہ دور اول میں اسلام کی تاریخ بنی تھی۔ آئندہ بھی جب اسلام کی تاریخ بنے گی، اسی تدبیر کے ذریعہ بنے گی۔ اگر مسلمان خطرات کے خلاف رد عمل میں مشغول رہے تو اسلام کی جدید تاریخ بننے والی نہیں، خواہ اس قسم کے رد عمل میں ایک کرور سال کیوں نہ صرف کر دیئے جائیں۔

میں نے کہا کہ مغرب نے تسخیر کائنات کے امکان کو استعمال کر کے موجودہ غلبہ حاصل کیا ہے۔ مگر تسخیر قلوب کے امکان کو استعمال کرنے کا میدان ابھی خالی ہے۔ جو قوم اس دوسرے امکان کو استعمال کرے گی وہ مغربی تاریخ سے بھی زیادہ بڑی تاریخ بنائے گی۔ تاہم اندازہ ہوا کہ اس طرح کی بات صرف ایک تقریر سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے لیے مسلسل ذہنی خوراک پہونچانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام موثر طور پر صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ الرسالہ کا عربی اڈیشن نکلنے لگے۔ معلوم ہوا کہ کچھ عرب حضرات بطور خود الرسالہ کا عربی اڈیشن نکالنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔

یمن قوم سبا کا وطن رہا ہے۔ سبا کا دار السلطنت مارب تھا۔ اس کے نام پر سد مارب یہاں کا مشہور ترین تاریخی مقام ہے۔ ۲ نومبر ۱۹۸۸ کی صبح کو صنعاء سے مارب کے لیے روانگی ہوئی۔ یہ مقام صنعاء سے تقریباً ۱۲۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ شروع سے آخر تک نہایت عمدہ سڑک ہے جو کویت کے تعاون سے بنائی گئی ہے۔ تقریباً پورا راستہ پہاڑوں کے درمیان طے ہوا۔ ان پہاڑوں میں ہر قسم کے پتھر پائے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں یمن کا عقیق (قیمتی سرخ پتھر) بہت مشہور تھا۔ ایک شاعر نے دنیا کی بے ثباتی کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے:

اشک یخ بستہ عبرت ہیں، عدن کے موتی　　خون افسردۂ حسرت ہے عقیقِ یمنی

تین ہزار سال پہلے یمن کے لوگوں نے جو سد مارب بنایا تھا۔ وہ آج بھی انسانی ذہانت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ خود اس علاقہ میں زیادہ بارش نہیں ہوتی۔ بہت بڑے علاقہ کی بارانی بارش

کو بند کے ذریعہ مارب کے مقام پر جمع کیا جاتا تھا اور اس سے سینچائی کا کام لیا جاتا تھا۔ اس تدبیر نے اس خشک علاقہ کو سرسبز و شاداب بنا دیا تھا۔ قدیم سد مارب کے آثار اب بھی نمایاں طور پر موجود ہیں۔

قدیم بند ہی کے مقام پر اب یہاں دوبارہ جدید طرز کا ڈیم بنایا گیا ہے۔ ڈیم کے انچارج نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ شیخ زائد (عرب امارات) نے یہاں کا دورہ کیا تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس کو دوبارہ بنایا جائے۔ سب سے پہلے انھیں نے اس تصور کا آغاز کیا (وھو الذی بدأ ھذہ الفکرۃ)

ہم لوگوں کا قافلہ تقریباً دو گھنٹہ میں سد مارب کے مقام پر پہونچا۔ تعارف کے دوران بتایا گیا کہ اس ڈیم کو دوبارہ بنانے کے دو مقصد ہیں۔ ایک مقصد اقتصادی ہے۔ یعنی اس علاقہ کی آبپاشی کے لیے پانی حاصل کرنا۔ دوسرا مقصد اسلامی ہے۔ سد مارب کا ذکر خود قرآن میں آیا ہے۔ یہ ڈیم اس علاقہ کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے گا (یحیي ذکری ھذہ المنطقۃ) یہ ڈیم گویا انسان کے لیے اس بات کا نشان ہے کہ خدا کے شکر گذار بنو تو تمہارے لیے سب کچھ ہے اور ناشکری کروگے تو اس کا نتیجہ دوبارہ وہی ہوگا جو قوم سبا کے ساتھ پیش آیا۔

موجودہ ڈیم ۷۰۰ میٹر لمبا اور ۶۰ میٹر اونچا ہے۔ قدیم سد مارب تقریباً ۱۸ میٹر اونچا تھا۔ جہاں یہ ڈیم بنایا گیا ہے اس کو عام طور پر وادی سبا کہا جاتا ہے۔ سابق سد مارب تین ہزار سال پہلے بنا تھا۔ یہ پورا کا پورا مضبوط پتھروں کا تھا۔ اس کے آثار اب بھی جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کثیر تعداد میں کتبے موجود ہیں۔ یہ کتبے حمیری زبان میں ہیں۔ یہ پورا ڈیم شیخ زائد (عرب امارات) کے تعاون سے بن رہا ہے۔ اس کی لاگت ایک سو ملین ڈالر ہے۔ تحقیق اور ریسرچ کا سارا کام جرمن ماہرین نے کیا ہے۔ وہ پچھلے دس سال سے اس کام میں مشغول ہیں۔

سد مارب دیکھنے کے بعد ہم لوگ اس کھنڈر کو دیکھنے کے لیے گیے جو معبد شمس (Sun temple) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ملکہ بلقیس اور اس کی قوم سبا کا عبادت خانہ تھا۔ اب بھی اس کے کھنڈر صحرا میں موجود ہیں۔ اس کے کئی ستون اب بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا ایک ایک پتھر ۵۰ ٹن کا ہے۔ یہ معبد گول انداز میں بنا ہوا تھا۔ اس کی کھدائی میں کافی کتبات اور سامان نکلے جو اب لندن کے میوزیم میں موجود

ہیں۔ یہ معبد تقریباً تین ہزار سال پرانا ہے۔

ہم وہاں دوپہر کے وقت پہونچے۔ سورج پوری تابناکی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اور اس کے نیچے معبد شمس آخری حد تک کھنڈر کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اس ماحول میں ایسا معلوم ہوا جیسے سورج زبان حال سے کہہ رہا ہو کہ میں تمہارا خدا نہیں۔ اگر میں خدا ہوتا ہو تو میں اپنے عبادت خانہ کو کھنڈر ہونے سے بچالیتا۔

مزید آگے بڑھے تو وہ جگہ تھی جس کو "عرش بلقیس" کہا جاتا ہے۔ یہ ملکہ سبا (بلقیس) کا محل تھا جو معبد شمس کے قریب واقع تھا۔ اس کے پانچ بڑے بڑے ستون اب بھی سیدھے کھڑے ہوئے ہوئے ہیں۔ ہر ستون ۱۲ میٹر لمبا ہے۔ ان ستونوں کے اوپر یمنی لڑکے چڑھنے اور اترنے کا ایک عجیب وغریب تماشا دکھا رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ شہر کی اونچی عمارتوں میں اوپر چڑھنے کے لیے جو لفٹ لگی ہوئی ہے وہ اوٹس (OTIS) کی ہے جو ایک مغربی کمپنی ہے۔ روایتی صعود میں مسلمان خود استاد ہیں مگر مشینی صعود کے لیے انھیں مغرب کی شاگردی کرنی پڑتی ہے۔ مسلمان روایتی دور میں سب سے آگے تھے، مگر سائنسی دور میں وہ سب سے پیچھے ہوگیے۔

یہیں پر قدیم شہر مارب کے کھنڈرات ہیں جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک عمارت ہے جو "مسجد سلیمان" کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے یہاں نماز پڑھی اور پھر اسی جگہ مسجد تعمیر کی گئی۔ تاہم اس کا تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ یہ مسجد ایک بہت بڑے ہال کی صورت میں ہے جو کہ تقریباً ۳۰ ستونوں پر قائم ہے۔ پورا مارب شہر ایک بلندی پر کھنڈرات کی صورت میں نظر آتا ہے اور عبرت کا عجیب نمونہ ہے۔

مارب شہر مشہور "قیرواں روڈ" پر واقع تھا۔ یہ شاہراہ بحر عرب کو بحر روم سے ملاتی تھی۔ اس پر ہزاروں کی تعداد میں اونٹوں کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ ان تاجروں سے ٹیکس وصول کیے جاتے تھے اور وہ حکومتِ سبا کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھا ——— قدیم زمانہ کی تجارتی شاہراہ اب صرف سیاحوں کی شاہراہ بن کر رہ گئی ہے۔

قدیم مارب کے پاس ہی جدید مارب آباد ہے۔ طرز تعمیر کے اعتبار سے وہ بھی قدیم انداز کا بنا ہوا ہے۔ یہاں ایک "ہوٹل بلقیس" ہے جو غالباً سیاحوں کی ضرورت کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ گویا

صحرا کے اندر ایک تہذیبی نخلستان ہے۔ اس ہوٹل میں ظہر کی نماز پڑھی گئی اور یہیں دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ یہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد صنعاء کے لیے واپسی ہوئی۔

قدیم شہر مارب کے ٹوٹے ہوئے مکانات اور قدیم سد مارب، معبد شمس، عرش بلقیس وغیرہ کے کھنڈرات سب پاس پاس واقع ہیں۔ اس پورے علاقہ کو وادی سبا کہا جاتا ہے۔ جب ہم کھنڈرات کی اس خشک وادی میں پہونچے تو یہ دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا اور سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا اور تیز روشنی بکھیر کر دیکھنے والوں کو دور سے دکھا رہا تھا۔

یہ تاریخی منظر جب میرے سامنے آیا تو اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کہ یہ سورج نہیں ہے بلکہ خدائی ٹارچ ہے جو اندھیرے میں اس لیے جلائی گئی ہے تاکہ لوگوں کو دکھائے کہ خدا کی طاقتیں کیا ہیں اور وہ قوموں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرتا ہے۔

یہاں ایک کتاب دیکھی۔ اس کا نام تھا ——— یمن کی از سر نو دریافت :

Yemen Rediscovered

کتاب کے مصنف مائیکل جینر (Michael Jenner) ہیں۔ وہ لندن میں پیدا ہوئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور اب لندن ہی میں رہتے ہیں۔ وہ برٹش ٹورسٹ اتھارٹی کے مڈل ایسٹ ڈپارٹمنٹ میں کام کرتے ہیں۔ انھوں نے یمن کا سفر کیا اور علم الآثار کی جدید تحقیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کتاب مرتب کی۔ اس میں یہاں کے آثار کے بہت واضح فوٹو دیے گیے ہیں اور قدیم یمن سے متعلق نہایت مفید معلومات درج ہیں۔ یہ کتاب لانگ مین کمپنی نے چھاپی ہے۔

کتاب کے سرورق پر لکھا ہوا تھا کہ یمن عرصۂ دراز تک ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارہ میں دنیا کو بہت کم معلومات تھیں۔ یمن نے اب اپنے دروازے بیرونی مشاہدین کے لیے کھول دیے ہیں۔

For many years one of the least-known countries in the world, Yemen has recently opened its doors to foreign visitors.

آج اس طرح کی کتابیں بڑی تعداد میں مختلف ملکوں کی قدیم تاریخ کے بارہ میں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ گویا، ایک اعتبار سے، قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین کی تفسیر ہے۔ قدیم زمانہ میں قوموں پر ظاہر ہونے والے فیصلے دبے ہوئے کھنڈروں کی صورت میں زمین میں

دفن تھے یا تاریخ کے پردہ میں چھپ گیے تھے۔ حتی کہ اب لوگ آج کے "یمن" کو جانتے تھے، وہ قدیم "یمن" سے ناواقف ہو چکے تھے۔ علم الآثار کے ماہرین گویا موجودہ زمانہ میں خدائی کارندے بن کر ظاہر ہوئے اور بڑھتے ہوئے سیاحتی ذوق نے اس کی ضروری قیمت ادا کی۔ اس طرح ایسا ہوا کہ خدا کا فیصلہ جو تاریخ کے گرد و غبار میں چھپ گیا تھا۔ اس کو کھود کر اور تحقیق کر کے نکالا گیا اور عالمی مشاہدہ کے لیے اس کو دنیا کے سامنے رکھ دیا گیا۔ تاہم یہ پورا کام غیر مسلموں کے ذریعہ انجام پایا ہے۔ اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔

یکم نومبر کی دوپہر کو یہاں کی یونیورسٹی دکھائی گئی۔ اجتماعی طور پر تمام شرکا وہاں لے جائے گیے۔ یہ ایک مکمل یونیورسٹی ہے جہاں تمام شعبے قائم ہیں۔ ذریعہ تعلیم عربی کے ساتھ انگریزی بھی ہے۔ اس کے مختلف حصوں کو دکھاتے ہوئے ایک ہال میں لے جایا گیا جہاں کلاس جاری تھی۔ استاد نے بتایا کہ یہ "ٹرافک انجینیرنگ" کی کلاس ہے۔ انھوں نے عربی میں اپنے مضمون کا تعارف شروع کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ یہاں کچھ لوگ عربی نہیں جانتے اس لیے انگریزی ترجمہ ہونا چاہیے۔ استاد نے اس کے فوراً بعد اپنی بات کو انگریزی میں کہنا شروع کیا۔ جس روانی کے ساتھ وہ عربی میں بول رہے تھے، اسی روانی کے ساتھ انگریزی میں بولنے لگے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ یہاں جو اساتذہ ہیں وہ لائق ہیں اور اپنے مضمون پر اچھی طرح تیار ہیں۔

یمن کے وسائل زیادہ نہیں ہیں۔ ایک بڑی زیر تعمیر عمارت دکھائی گئی۔ یہ میڈیکل کالج تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ پورا کالج کویت کے تعاون کے تحت بنایا جا رہا ہے۔ یہی حال دوسرے ترقیاتی امور کا بھی ہے۔ تاہم تیل کی تلاش یہاں بڑے پیمانہ پر جاری ہے اگر تیل دریافت ہو گیا تو یمن بھی دوسرے خلیجی ممالک کی طرح خوش حال ملک بن جائے گا۔

صنعاء کے ماہنامہ الارشاد اور روزنامہ الثورہ نے انٹرویو لیا۔ الارشاد کا انٹرویو تفصیلی تھا۔ وقت کی کمی کے باعث الثورہ کو میں صرف مختصر انٹرویو دے سکا۔ ٹیلی وژن کے لوگ بھی اصرار کر رہے تھے۔ مگر وقت کی کمی کے باعث میں ٹیلی وژن کو انٹرویو نہ دے سکا۔ الارشاد کا انٹرویو اس کے رئیس تحریر د۔ عبداللہ الواسطی نے لیا۔ انھوں نے گفتگو کا آغاز اس جملہ سے کیا:

الشیخ وحید الدین، مرحب بکم فی ھذا البلد الذی ھو بلد کل مسلم

اس کے بعد انھوں نے جو سوالات کیے ان میں سے کچھ یہ تھے :

۱- هل تتفضل باعطائنا تعريفا موجزا عن حياتك

۲- كم هي المولفات التي صدرت لكم وهل تتفضلون كتابا منها

۳- هل لكم من تعليق على الصحوة الاسلامية القائمة اليوم

۴- ماذا تتوقعون لمستقبل المسلمين في الهند

۵- بالنسبة لجارتكم الباكستان متى تتوقعون سيفوز في الانتخاب المقبلة

آخری سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ میرے اندازہ کے مطابق پاکستان کے آنے والے الکشن میں بھٹو پارٹی کامیاب ہوگی اور وہی حکومت بنائے گی۔ یہ بات میں نے یکم نومبر ۱۹۸۸ کو کہی تھی، جب کہ پاکستان کا الکشن ۱۶ نومبر کو ہوا۔

یمن کی وزارت اوقاف کی طرف سے ان کی مطبوعات بطور ہدیہ دی گئیں۔ ان میں سے ایک کتاب القانون المدنی (المعاملات الشرعية) تھی جس کو علماء کی ایک کمیٹی نے مرتب کیا ہے۔ یہ تقریباً ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں معاملات سے متعلق شرعی قوانین کو دفعہ وار مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں تیرہ سو سے زیادہ دفعات ہیں۔ کتاب اصولی قوانین (القواعد الاصولية) سے شروع ہوتی ہے، اور اموال اور جائداد کے غصب سے متعلق شرعی احکام پر ختم ہوتی ہے۔ مادہ ۱۲۸۶ میں کہا گیا ہے کہ شریعت کے مطابق، غصب حرام ہے اور ظلم ہے (ان الغصب حرام وظلم) اس میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جس شخص نے ایک بالشت کے برابر (زمین) غصب کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں پہنائے گا (من غصب شبراً طوقه يوم القيامة الى سبع اراضين)

عبدالکریم بن عبداللہ العرشی (نائب رئیس الجمہوریہ) نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ قانون بلاشبہ بہترین چیز ہے جو عمومی طور پر ساری انسانیت کے لیے اور خصوصی طور اسلامی امت کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے (ان هذا القانون لخير عمل يقدم للبشرية عامة وللامة الاسلامية خاصة) یہ کتاب شرعی احکام کی قانونی ترتیب (تقنين احكام الشريعة الاسلامية) کی ایک کوشش ہے جس کی موجودہ زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔

یہاں ایک عربی کتاب نظر سے گزری۔ اس کا نام تھا ——— قرآن کی تلاوت پر اجرت لینے پر حجت اور برہان :

اقامة الحجة والبرهان على جواز أخذ الأجرة على تلاوة القرآن

اس کتاب کے مولف یمن کے ایک عالم محمد بن اسماعیل الامیر (۱۱۸۲ - ۱۱۱۰ھ) ہیں۔ بعد کے زمانہ میں اس طرح کی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل پر حجت و برہان قائم کیا گیا۔ مگر اقوام عالم پر حجت و برہان قائم کرنے کے لیے کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ اگر کسی نے کوئی کتاب لکھی بھی تو وہ مناظرہ کے انداز میں، اور مناظرہ اقامتِ حجت نہیں۔

لندن سے آنے والے ایک صاحب نے کہا کہ یورپ میں اسلام کے خلاف سخت تعصب پایا جاتا ہے۔ مثلاً کئی تعلیمی اداروں سے یہ رپورٹ ملی ہے کہ ایک مسلمان طالب علم نے وہاں درخواست دی۔ انٹرویو کے وقت اس سے سوال کیا گیا کہ کیا تم بنیاد پرست (Fundamentalist) ہو۔ اگر اس نے کہا کہ ہاں تو اس کی درخواست رد کر دی جاتی ہے۔

میرے نزدیک یہ اغیار کا تعصب نہیں بلکہ خود اپنی حماقت کا نتیجہ ہے۔ وہ مسلم نوجوان جن کو "بنیاد پرست" کہا جاتا ہے، انھوں نے اپنی یہ تصویر بنائی ہے کہ وہ جہاں موقع پاتے ہیں نظام کے خلاف جھنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ تخریب کاری کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں جو لوگ ڈسپلن کو اہمیت دیتے ہوں۔ وہ ان کے ساتھ وہی کریں گے جو یورپ کی بعض تعلیم گاہوں میں پیش آیا۔ جس شخص کے متعلق تخریب کاری کا تصور ہو، وہ خود ہمارے دینی اداروں میں قبول نہیں کیا جاتا، پھر ایسا آدمی یورپ کے غیر دینی اداروں میں کیوں قبول کیا جائے گا۔

عبد المنعم الخطاب ایک مصری عالم ہیں۔ وہ تقریباً ۲۴ سال سے امریکہ میں رہتے ہیں۔ وہاں وہ ٹولیڈو کے اسلامک سینٹر میں مدیر (ڈائرکٹر) ہیں۔ انھوں نے کہا کہ لوگ امریکہ میں اسلام کی تبلیغ کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک پہلی اہم ضرورت مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہے نہ کہ امریکیوں کو مسلمان بنانا (مهمة الأولى عندي هي إسلام المسلمين لا إسلام الأمريكيين)

میں نے کہا کہ اسلام الامریکیین کے بغیر اسلام المسلمین ممکن نہیں۔ اصل یہ ہے کہ کردار محض وعظ و نصیحت سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اعلیٰ مقصد سے پیدا ہوتا ہے۔ موجودہ مسلمان بے مقصد ہیں،

اسی لیے وہ بے کردار ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اخلاقی اعتبار سے اٹھانے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے اندر مقصدی شعور پیدا کیا جائے۔ جب ان کے اندر مقصدی شعور آئے گا تو وہ مقصد کے لیے بھی متحرک ہوں گے اور یہی چیز ان کے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کا سبب بھی بن جائے گی۔ اور دعوت ہی بلاشبہ سب سے بڑا اسلامی مقصد ہے۔

سفر کے دوران ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ عربی یا انگریزی دونوں میں سے کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہم کچھ دیر تک ساتھ رہے مگر قریب ہونے کے باوجود ان سے "ربط" قائم نہ ہو سکا۔ گویا وہی کیفیت تھی کہ :

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

اس وقت خیال ہوا کہ نطق اور زبان خدا کی کیسی عجیب نعمتیں ہیں۔ اگر آدمی کے اندر بولنے کی صلاحیت نہ ہو، یا وہ دوسرے لوگوں کی زبان نہ جانتا ہو، تو انسانی ہجوم کے اندر بھی وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کریگا۔ انسان کی تمام سرگرمیاں اور اس کی تمام ترقیاں نہایت گہرے طور پر نطق کی صلاحیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسی کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان سے ربط قائم کرتا ہے۔ اسی کے ذریعہ مختلف لوگوں کی تحقیقات دوسروں تک پہنچتی ہیں اور انسانیت کی مجموعی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات سے دوسروں کو باخبر کرتا ہے۔

اس عجیب و غریب نعمت کا احساس اس وقت نہیں ہوتا جب کہ آدمی اپنے ہم زبان لوگوں کے درمیان رہ رہا ہو۔ اس نعمت کا صحیح احساس اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو ایسے لوگوں کے درمیان پائے جہاں نہ دوسرے لوگ اس کی زبان جانیں اور نہ وہ دوسرے لوگوں کی زبان جانتا ہو۔ ایسے ماحول ہی میں صحیح طور پر احساس ہوتا ہے کہ نطق اور زبان کیسی عجیب خدا کی نعمتیں ہیں۔

ایک صاحب اپنے ملک کے سیاسی حالات کی بنا پر اپنے وطن سے باہر یورپ کے ایک ملک میں رہتے ہیں۔ انھوں نے عالمی پناہ گزینوں کے مسئلہ پر تقریر کی اور کہا کہ ان پناہ گزینوں میں بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ ان کے بارہ میں مسلم ملکوں کو ایک مستقل ادارہ قائم کرنا چاہیے جو ان کی مدد کر سکے۔ ان کی تقریر کی رپورٹ تیار ہو کر آئی تو عربی رپورٹ میں درج تھا : وقد

جری التاکید علی ضرورۃ الاھتمام باللاجئین اھتماماً یتکافأ مع کون ثلث المسلمین ھم لاجئون فی ھذا العالم۔ اسی طرح انگریزی رپورٹ میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے :

This matter was emphasized as one third of the Muslims are refugees in this world.

اس کا مطلب یہ تھا کہ دنیا بھر میں جو مسلمان ہیں ان کا ایک تہائی حصہ پناہ گزین کے طور پر زندگی گزار رہا ہے۔ یعنی دنیا کے ایک ارب مسلمانوں میں سے تقریباً ۳۳ کرور۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مذکورہ مقرر نے دراصل یہ کہا تھا کہ عالمی پناہ گزینوں کی جو تعداد ہے ان میں تقریباً ایک تہائی مسلمان پناہ گزین ہیں۔ گویا کہنے والے نے پناہ گزینوں میں تہائی کی بات کہی تھی، مگر رپورٹ مرتب کرنے والوں نے اس کو مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا تہائی کر دیا۔

یہ غلطی کی وہ قسم ہے جو موجودہ دنیا میں بہت زیادہ عام ہے۔ اس لیے کسی کے خلاف کوئی بات علم میں آئے تو تحقیق کے بغیر ہرگز اس کو ماننا نہیں چاہیے۔

یہاں جناب محمد شیر چودھری (پیدائش ۱۹۳۸) سے ملاقات ہوئی۔ وہ پاکستان سے ہجرت کر کے ساؤتھ افریقہ گیے اور اب وہ وہیں رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنا ایک قصہ بتایا۔ ۱۹۸۶ میں ڈربن کے اورینٹ ہال میں ان کی تقریر ہوئی۔ تقریر کے بعد حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا : کیا آپ اس پر مطمئن ہیں کہ واقعی صدر ضیاء الحق پاکستان میں اسلام لانا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں محمد شیر چودھری نے کہا : "میں سمجھتا ہوں صدر ضیاء تو اسلام لانا چاہتے ہیں مگر علماء شاید اسلام نہیں لانا چاہتے"

میں نے کہا کہ ایک لفظی فرق کے ساتھ میں اس جواب سے متفق ہوں۔ آپ نے کہا کہ علماء اسلام کو لانا نہیں چاہتے، میں کہوں گا کہ علماء اسلام کو لانے نہیں دیتے۔

کسی معاشرہ میں اسلام کو لانا ایک تدریجی عمل ہے۔ اس کے لیے ناقابل برداشت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جو چیز آج ممکن ہے اس سے آغاز کیا جاتا ہے، اور جو چیز آج ممکن نہیں ہے، اس سے اعراض کرنا پڑتا ہے۔ مگر علماء صبر اور اعراض اور تدریج کو نہیں جانتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ فوراً اسلام کا غلبہ قائم ہو جائے۔ علماء کی یہی تعجیل پاکستان میں اسلام کی تاخیر کا سبب بن رہی

ہے۔ پاکستان کے علماء عملی طور پر صرف اس پوزیشن میں تھے کہ وہ پاکستان کے لوگوں میں اسلامی شعور کو بیدار کریں۔ مگر پاکستان کے بنتے ہی وہ اسلامی حکومت قائم کرو کا نعرہ لے کر کھڑے ہو گیے۔ وہ ہر حکمراں کو مخالف اسلام قرار دے کر اس کو اقتدار سے ہٹانے کی مہم چلاتے رہے۔ علماء کی یہی وہ نادانی ہے جس نے بہ سال بیتنے کے باوجود پاکستان میں اسلام کو آنے نہیں دیا۔

اس پر جناب محمد چودھری نے اپنا ایک اور لطیفہ بیان کیا۔ انھوں نے ایک بار کسی سے کہا کہ وہ ہر شخص کا مقابلہ کر سکتے ہیں، مگر وہ مولوی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سننے والے نے پوچھا کہ کیوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی فوراً ہی چھلانگ لگا کر اپنی گاڑی پانچویں گیر میں چلا دے گا :

He must at once jump into the 5th gear.

ایک صاحب جو یورپ سے آئے تھے، مگر اصلاً وہ افغانی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت ۱۵ ملین افغانی باشندے افغانستان میں ہیں۔ ۳ ملین افغانی پاکستان میں ہیں اور ۲ ملین ایران میں۔ پاکستان کے ایک صاحب نے بتایا کہ افغانستان سے جو لوگ پاکستان گیے، ان کی بڑی تعداد اب افغانستان جانے میں دل چسپی نہیں رکھتی۔ کیوں کہ انھوں نے پاکستان میں کافی تجارتیں پھیلالی ہیں جن کی امید وہ موجودہ افغانستان میں نہیں رکھتے۔ اسی طرح بہت سے افغانی نوجوانوں نے اپنے ملک سے نکل کر تعلیم حاصل کی۔ اب وہ یورپ اور امریکہ میں اچھی ملازمتوں میں ہیں، وہ بھی اس میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتے کہ افغانستان واپس جائیں جو مسلسل جنگوں کے نتیجہ میں برباد ہو چکا ہے۔

افریقہ کے ایک صاحب نے کانفرنس میں کہا کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان اپنے سیاسی عقیدہ کی وجہ سے اپنے مذہبی حقوق سے روکے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایرانیوں کی مثال دی کہ سعودی عرب نے ان کو حج سے روک دیا ہے۔ چنانچہ اس سال ایرانی حاجی مکہ نہ جا سکے۔ کویت کے ایک بزرگ نے فوری طور پر اس کی تردید کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ بیان واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔ سعودی حکومت نے ہرگز ایسا نہیں کیا کہ وہ ایرانیوں کو حج سے روکے۔ ان کو بدستور اجازت حاصل تھی۔ یہ خود ایرانی تھے جنھوں نے احتجاج کے نام پر اس سال حج کا سفر نہیں کیا۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک واقعہ صحیح ہونے کے باوجود اس کی توجیہہ حد درجہ غلط ہو سکتی ہے۔ مذکورہ مثال میں ایک واقعہ جس کے ذمہ دار حقیقۃً ایرانی تھے، اس کو ایک شخص نے غلط طور پر سعودی عرب کی طرف منسوب کر دیا۔ اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ کسی کے خلاف کوئی بیان دینے سے پہلے اس کے بارہ میں مکمل تحقیق کرو۔

۴ نومبر کو مجھے فجر سے پہلے واپس روانہ ہونا تھا تاکہ میں وقت پر ہوائی اڈہ پہنچ کر ساڑھے پانچ بجے کے جہاز کو پکڑ سکوں۔ ہوٹل کے استقبالیہ میں شام کو میں نے لکھوا دیا کہ صبح ۳ بجے مجھے جگا دیا جائے۔ رات کو میں سو رہا تھا کہ ٹھیک وقت پر ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ ہوٹل والوں کی طرف سے ویک اپ کال (Wake-up- call) تھی۔ گویا کہ آواز دینے والا کہہ رہا تھا کہ اٹھ جاؤ۔ اب سونے کا وقت ختم ہو گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ صور اسرافیل بھی اسی قسم کا ایک ویک اپ کال ہوگا۔ آج تمام لوگ سو رہے ہیں۔ کسی کو آنے والے دن کا احساس نہیں۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کہ اسرافیل کا صور گونج اٹھے۔ کیسی عجیب ہوگی یہ خدائی پکار، اور کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو اس خدائی پکار سے غافل ہو کر بے خبر سو رہے ہیں۔

میں سفر میں ہمیشہ مختصر سامان رکھتا ہوں۔ عام طور پر صرف ایک چھوٹا ہینڈ بیگ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ صنعاء سے ۴ نومبر کی صبح کو ہوٹل سے نکلا تو ہمارے یمنی گائڈ نے پوچھا آپ کا سامان۔ میں نے اپنے ہاتھ کا بیگ دکھاتے ہوئے کہا کہ بس یہی میرا سامان ہے، اس کے سوا اور میرا کوئی لگیج نہیں۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا: افلح من خف متاعہ (وہ شخص کامیاب رہا جس کا سامان کم ہو)

یہ گویا اسلامی تہذیب کا کلمہ تھا جو ان کی زبان سے نکلا۔ جزیرہ عرب پر اسلام کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ عربوں کی زبان اور ان کے انداز میں ابھی تک اس کے نشانات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کا باہمی اختلاف اگر کسی طرح ختم ہو جائے تو اس کے بعد ان کے پاس جو کچھ بچے گا وہ وہی اسلامی تہذیب ہوگی جو چودہ سو سال پہلے پیغمبر عربی کے ذریعہ انھیں ملی تھی۔

صنعاء سے کراچی کا سفر پاکستان ایرلائنز کی فلائٹ ۷۴۶ کے ذریعہ ہوا۔ راستہ میں

پاکستانی اخبارات پڑھنے کو ملے۔ روزنامہ حریت (۳ نومبر ۱۹۸۸) کی چند سرخیاں یہ تھیں :

کوئی جماعت بھی جیتے، حکومت انتخابی نتائج کو تسلیم کرے گی۔ مصطفےٰ صادق

۱۶ نومبر عوام دشمن قوتوں کی شکست کا دن ہے۔ بیگم نصرت بھٹو

پاکستانی عوام اسلام کے سوا کسی اور ازم کو تسلیم نہیں کرتے۔ مولانا نورانی

حکمرانوں کے لیے انتخابات کے بعد انتقال اقتدار کے سوا کوئی راہ نہیں۔ مارشل اصغر خاں

اسلامی جمہوری اتحاد برسر اقتدار آکر ظالموں کے ہاتھ کاٹ دے گا۔ نواز شریف

انگریزی روزنامہ مارننگ نیوز (۳ نومبر ۱۹۸۸) کے صفحہ اول کی ایک سرخی یہ تھی :

Islamic forces will emerge triumphant (Fazle Haq.)

روزنامہ جنگ (۳ نومبر ۱۹۸۸) بھٹو پارٹی کے تذکرے سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں یا تو بھٹو پارٹی کے لیڈروں کی تقریریں تھیں۔ یا مخالف پارٹی کی طرف سے بھٹو پارٹی کی مذمت۔ ایسا محسوس ہوا جیسے تمام دوسری جماعتوں کے اوپر بھٹو پارٹی کا بوس بن کر سوار ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ اپنے کو دفاعی پوزیشن میں محسوس کر رہے ہیں۔ اخبار جنگ میں جماعت اسلامی کے پروفیسر عبدالغفور کا ایک احتجاجی خط تھا جس میں انھوں نے اخبار جنگ سے شکایت کی تھی کہ " پاکستان کی انتخابی مہم میں جنگ کے نمائندے متعصبانہ اور جانبدارانہ انداز میں رپورٹنگ کر رہے ہیں۔ وہ اسلامی اتحاد کے اجتماعات گھٹا کر شائع کرتے ہیں یا بالکل شائع نہیں کرتے۔

صنعاء سے کراچی تک بنگلہ دیش کے ایک صاحب کا ساتھ رہا۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت پاکستان میں بنگلہ دیش کے کئی ہزار آدمی مختلف حیثیتوں سے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ۱۹۷۱ میں پاکستان کے خلاف "آزاد بنگلہ دیش" کا جھنڈا اٹھایا تھا، مگر آزادی کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ بنگلہ دیش میں کام کے مواقع نہیں ہیں تو وہ پاکستان آکر یہاں کام کرنے لگے۔ اسی طرح بہت سے بنگلہ دیشی مسلمان ہیں جو یورپ اور امریکہ جاکر اپنے لیے کام تلاش کر رہے ہیں ——— "سونار بنگلہ" جب نعرہ تھا تو ہر آدمی کو سونار بنگلہ سے دلچسپی تھی۔ مگر سونار بنگلہ جب واقعہ بن گیا تو اب کسی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔

میں نے سوچا کہ ۱۹۷۰-۷۱ میں اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ بنگلہ دیش کو آزاد کرانے کی تحریک ختم کردو اور پاکستان کی "ماتحتی" میں رہ کر اپنی تعمیر و ترقی کا کام کرو تو سارے بنگلہ دیش میں کوئی ایسے شخص کا ساتھ نہ دیتا۔ اس کے برعکس شیخ مجیب الرحمٰن کی آزاد بنگلہ دیش کی تحریک کا ساتھ دینے کے لیے تمام بنگالی مسلمان امنڈ پڑے۔ حالاں کہ بالآخر اس کا جو انجام ہونا تھا وہ صرف یہ کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو خود بنگالی مسلمان مار ڈالیں اور بنگلہ دیش دنیا کا سب سے زیادہ پست اور کمزور ملک بن کر رہ جائے۔

جذباتی رہنمائی اور حقیقت پسندانہ رہنمائی میں کتنا زیادہ فرق ہے۔ مگر مسلمان ہر ملک میں، ایک یا دوسری صورت میں جذباتی رہنماؤں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ بربادی اور ہلاکت کی صورت میں بار بار اس کے نتیجہ کا سامنے آنا بھی انھیں جذباتی رہنماؤں کے پیچھے دوڑنے سے روکنے والا نہ بن سکا۔

۴ نومبر کی دوپہر کو کراچی پہونچا۔ ظہر کی نماز یہاں ایرپورٹ کی مسجد میں پڑھی "ایرپورٹ" کے ساتھ "مسجد" گویا دنیا کے ساتھ دین کو جوڑنے کی کوشش ہے۔ اسلام کے مطابق دینداری یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا کو چھوڑ کر روحانی جزیرہ میں چلا جائے۔ صحیح دینداری یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ دیندار بنا رہے۔ اس کا جسم بظاہر دنیا میں دکھائی دے مگر اس کا دل خدا کی یاد میں مشغول ہو۔

کراچی سے دہلی کے لیے میرے علاوہ تقریباً ایک درجن مسافر اور تھے۔ ان کے عورتیں اور بچے بھی تھے۔ دہلی کے مسافروں کو انتظار گاہ کے ایک حصہ میں بٹھا دیا گیا تھا۔ یہاں ان ہندستانیوں کے بچے مستقل طور پر شور و غل کرنے میں مشغول تھے اور اسی کے ساتھ ان کی مائیں بھی۔ مغربی دنیا میں ہندستانیوں کو بہت حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اور مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ ہندستانی انسان اخلاقی اعتبار سے اتنے پست ہو چکے ہیں کہ مقابلۃً اگر دیکھا جائے تو وہ مغربی انسان کے مقابلہ میں غیر انسان نظر آئیں گے۔ باہر کی دنیا میں چھوٹے چھوٹے ملک بھی ہندستان سے بہتر نظر آتے ہیں۔ ہندستان کا انسان میرے تجربہ میں، بااصول زندگی سے واقف نہیں۔ وہ صرف ایک چیز جانتا ہے، اور وہ اس کی اغراض اور خواہشیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندستان انسانی آبادی سے زیادہ ایک جنگل کے مشابہ ہے۔

اور جنگل میں محفوظ طور پر زندہ رہنے کی صورت صبر و اعراض کے سوا اور کچھ نہیں۔

۴ نومبر کو کراچی سے دہلی آتے ہوئے ہوائی جہاز میں میرے پاس کی سیٹ خالی تھی۔ دورانِ پرواز اچانک ایک صاحب آئے اور اس پر بیٹھ گیے۔ دیکھا تو وہ جناب فطین اشرف صدیقی (پیدائش ۱۹۶۲) تھے۔ وہ سیتامڑھی (بہار) سے تعلق رکھتے ہیں اور آج کل مسقط (سلطنت عُمان) میں بہ سلسلۂ روزگار مقیم ہیں۔ گفتگو کے دوران پاکستان کے آئندہ ہونے والے الکشن (۱۶ نومبر ۱۹۸۸) کا ذکر ہوا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں بڑی تعداد میں پاکستان کے لوگ آباد ہیں۔ ان کا عام خیال یہ ہے کہ اس الکشن میں "اسلامی اتحاد" کے لوگ جیتیں گے اور وہی آئندہ حکومت بنائیں گے۔ خاص طور پر "اسلامی جماعت" کے لوگ تو اس طرح بات کرتے ہیں گویا پاکستان کا سیاسی مستقبل انھیں کے ہاتھ میں ہے۔

میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ اگر کھلا الکشن ہوتا ہے تو یقینی ہے کہ بے نظیر بھٹو کی پارٹی جیتے گی اور وہی حکومت بنائے گی۔ یہ بات الکشن سے دو ہفتہ پہلے ہو رہی تھی جب کہ دنیا بھر کے "اسلام پسند" پاکستان میں "اسلامی جماعت" کی کامیابی کا بالکل یقین کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ فطین اشرف صدیقی صاحب کو میرے اس بیان پر بہت تعجب ہوا۔

میں نے کہا کہ پاکستان کا یہ الکشن ایک کسوٹی ہے۔ ایک رائے پاکستان کے اور دنیا بھر کے "اسلام پسندوں" کی ہے اور ایک رائے میری ہے۔ اس معاملہ میں اگر "اسلام پسند" لوگوں کی رائے درست نکلی تو وہ لوگ بابصیرت ہیں اور میں بے بصیرت۔ اس کے برعکس اگر میری رائے درست ثابت ہو تو آپ کو ماننا ہوگا کہ میں بابصیرت ہوں اور وہ لوگ بے بصیرت۔ فطین اشرف صاحب یہ سن کر ناقابل فہم تعجب کے ساتھ خاموش ہو گیے۔

آج ہر شخص جانتا ہے کہ ۱۶ نومبر کے پاکستانی الکشن میں بھٹو پارٹی نے، ووٹروں کے لیے شناختی کارڈ کی شرط جیسے بعض ناموافق حالات کے باوجود سب سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یہاں تک کہ یکم دسمبر ۱۹۸۸ کو بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ دوسری طرف پاکستان کی "اسلامی جماعت" کا یہ حال ہوا کہ اس کے تمام امیدوار ہار گیے۔ پاکستان کی مرکزی اسمبلی میں اس کو کوئی سیٹ نہ مل سکی۔

موجودہ زمانہ کے تمام مسلم رہنماؤں کا یہ حال ہے کہ وہ حقائق کے بجائے امانی میں جیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاملات میں صحیح رائے قائم نہیں کر پاتے۔ پاکستان کے "اسلامی مفکرین" ۴۰ سال تک یہ کہتے رہے کہ پاکستان کے سارے مسلمان اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ صرف چند سیاسی حکمراں ہیں جو اس کے خلاف ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کے عوام کو اگر آزادانہ اظہارِ رائے کا موقع ملے تو وہ یقینی طور پر اسلامی نظام کے حق میں رائے دیں گے۔ مگر پہلے ہی آزادانہ انتخاب نے اس مفروضہ کو غلط ثابت کر دیا۔

اسی بے بصیرتی کی بنا پر ایسا ہوا کہ پاکستان کے قیام (۱۹۴۷) کے بعد سے ۴۰ سال تک ان کی ساری کوشش حکمرانوں کو سیاسی اقتدار سے ہٹانے یا انھیں پھانسی دینے پر مرتکز رہی۔ مگر حکمرانوں کو ہٹانے کے بعد جب عوامی الکشن ہوا تو معلوم ہوا کہ اسلامی نظام کی راہ میں اصل رکاوٹ حکمران نہیں بلکہ خود پاکستانی عوام تھے۔ اگر یہ مسلم رہنما صحیح بصیرت کے حامل ہوتے تو ۱۹۴۷ کے بعد وہ اپنی ساری کوشش عوام کا ذہن بنانے میں لگا دیتے۔ مگر اپنی غلط تشخیص کی بنا پر انھوں نے اپنی ساری کوشش حکمراں افراد کو اقتدار سے بے دخل کرنے میں لگا دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت اور طاقت کا بے شمار سرمایہ صرف کرنے کے باوجود کوئی مثبت فائدہ ان کے حصہ میں نہ آسکا۔

پاکستان ایر لائنز پر آج (۴ نومبر ۱۹۸۸) کے پاکستانی اخبارات تھے۔ ہر ایک میں صفحہ اول کی پہلی سرخی یہ تھی: "مالدیپ پر ہندستانی فوج کا حملہ" اس کے ساتھ ہر اخبار میں، ایک یا دوسرے لفظوں میں یہ بات تھی کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور پاکستان میں اسلام کا نظام ہی نافذ ہوگا۔

میں نے سوچا کہ یہ اخبارات اگر یہ لکھتے تو زیادہ صحیح ہوتا کہ پاکستان اسلام کے نام پر قومی دھوم کے لیے بنا ہے اور پاکستان میں اسلام کے نام پر قومی دھوم جاری رہے گی۔ اور اس کا ایک ثبوت مذکورہ بالا خبر ہے۔ اگر پاکستان کے صحافیوں میں اسلام کا مزاج ہوتا تو وہ اس خبر کو اس کی صحیح شکل میں چھاپتے۔ مگر اس کو انھوں نے اپنے مخصوص قومی سانچہ میں ڈھال کر شائع کیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک مالدیپی تاجر (عبداللہ لطفی) نے کولمبو کے پاس ایک پولٹری فارم میں اپنا مرکز بنایا۔ وہاں اس نے لنکا کے دہشت گرد نوجوانوں کو بھرتی کر کے ایک دستہ تیار کیا۔ ان کو کشتیوں کے ذریعہ اس نے مالدیپ میں اتارا اور مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم کی رہائش گاہ

پر حملہ کر دیا۔ اس وقت مامون عبد القیوم نے پڑوسی ہندستان سے مدد کی درخواست کی۔ ہندستان سے بذریعہ ہوائی جہاز فوج بھیجی گئی جس نے بغاوت کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ واضح ہو کہ مالدیپ کے پاس اپنی کوئی فوج نہیں ہے۔

۴ نومبر کو میں پیشگی اطلاع کے بغیر دہلی پہونچا تھا۔ اس لیے یہ معلوم تھا کہ ہمارے دفتر کا کوئی آدمی ایرپورٹ پر موجود نہ ہوگا۔ میں چاہتا تھا کہ ٹیلی فون کے ذریعہ دفتر میں اپنی آمد کی اطلاع دیدوں۔ تاکہ وہاں سے کوئی شخص آجائے۔ مگر ہوائی جہاز سے اترنے کے بعد آدمی کو امیگریشن کی کھڑکی پر لائن لگانی پڑتی ہے اور یہاں کافی وقت لگ جاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ پبلک ٹیلی فون باہر کے حصہ میں تھا۔ میں نے چاہا کہ امیگریشن کی لائن میں لگنے سے پہلے میں ٹیلی فون کر دوں تاکہ جب میں یہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلوں، اس وقت تک دفتر سے کوئی شخص آچکا ہو۔

اندر صرف پولس کا ٹیلی فون تھا۔ میں پولس کے دفتر میں گیا اور اپنی ضرورت بیان کی۔ پولس کا آدمی یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ دفتر کا ٹیلی فون ہے۔ آپ پبلک بوتھ پر جا کر ٹیلی فون کریں۔ مگر اس نے میری ضرورت محسوس کی اور فوراً ٹیلی فون کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ کر لیجئے۔ پہلے زیرو گھمائیے، اس کے بعد اپنا نمبر ڈائل کیجئے، اس نے کہا۔ چنانچہ میں نے پولس کے دفتر سے ٹیلی فون کر دیا۔ جب میں اندر کی کارروائیوں سے فارغ ہو کر باہر نکلا، تو وہاں دفتر کا آدمی بھی آچکا تھا۔

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ اپنی ضرورت کو معقول طور پر پیش کر سکیں تو فریق ثانی خود اپنے ضمیر کے تحت اس کو ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے، خواہ وہ پولس کا آدمی ہو یا غیر پولس کا آدمی۔

## خبرنامہ اسلامی مرکز — ۵۰

۱۔ ڈاکٹر رالف سسن (Ralph R. Sisson) اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک (امریکہ) میں کمیونی کیشن کے پروفیسر ہیں۔ وہ مذاہب کی عبادات ورسوم پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ وہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۹ کو اسلامی مرکز میں آئے اور اسلام کی عبادت کے موضوع پر صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی انٹرویو لیا۔ ۲۷ جنوری کو انھوں نے دوبارہ صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی اور اپنے موضوع کے بارہ میں مزید گفتگو کی۔ صدر اسلامی مرکز نے خاص طور پر ان کو نماز کا فلسفہ اور اس کی حقیقت سمجھائی۔ وہ بہت خوش اور مطمئن ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز کے کہنے پر انھوں نے عملاً ایک وقت کی نماز صدر اسلامی مرکز کے ساتھ دہلی کی ایک مسجد میں پڑھی۔

۲۔ ناصر الدین شیخ صاحب نے اس سے پہلے "انسان اپنے آپ کو پہچان" کا ترجمہ گجراتی زبان میں کیا تھا اور اس کو بمبئی کے ایک گجراتی اخبار میں شائع کرایا تھا۔ اب انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ مراٹھی زبان میں کیا ہے اور اس کو پمفلٹ کی صورت میں زیادہ تعداد میں شائع کیا ہے۔ جو لوگ انسان اپنے آپ کو پہچان کا مراٹھی ترجمہ حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ذیل کے پتہ پر دو روپیہ کا ٹکٹ بھیج کر اسے حاصل کر سکتے ہیں :

3/5, 9th Cross Lane, P. Bapurao Marg, Bombay 400004

ناصر الدین شیخ صاحب خاتون اسلام اور تعمیر ملت کا ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔

۳۔ نیویارک (امریکہ) سے مولوی ابراہیم مامون اپنے خط مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۸۹ میں لکھتے ہیں : نیویارک میں میری ملاقات پروفیسر تھامس سے ہوئی۔ وہ مجھ سے عربی سیکھتے تھے اور میں ان سے انگریزی سیکھتا تھا۔ بہت پہلے انھوں نے اسلام کی تاریخ کے بارہ میں پڑھا تھا۔ میں نے مولانا وحید الدین خاں صاحب کی ساری کتابیں ان کو مطالعہ کے لیے دیں۔ مطالعہ کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا اسلامی نام خالد تھا۔ افسوس کہ جلد ہی ۵۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

۴۔ ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ (سابق پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی) الرسالہ کے مستقل قاری ہیں۔ وہ اپنے خط ۲ دسمبر ۱۹۸۸ میں لکھتے ہیں : اس زمانہ میں جس طرح آپ اسلام کی توضیح وتشریح فرماتے

ہیں وہ اسلام کو صحیح رنگ میں پیش کرنے کا ایک جہاد ہے۔ تنگ نظر لوگوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ کیوں کہ اس میں ان کا اپنا مفاد ہے۔ جب تک انا کو فنا نہیں کیا جائے گا اسلام کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اسلام کے اندر تسلیم کا حکم واضح ہے اور تسلیم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے آگے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے کہ آپ صحیح اسلام سے دنیا کو واقفیت بہم پہنچانے میں سرگرم ہیں (چورنگھی روڈ، کلکتہ)

۵۔ الرسالہ کے مضامین دوسرے پرچوں میں کثرت سے نقل کیے جارہے ہیں، اس طرح الرسالہ کا فکر مسلسل وسیع تر دائرہ میں پھیل رہا ہے۔ ملک کی سب سے بڑی اور تاریخی جماعت جمعیۃ علماء ہند کا ہفت روزہ ترجمان الجمعیۃ کے نام سے نئی دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ اس نے اپنے شمارہ ۳-۹ فروری ۱۹۸۹ میں الرسالہ کا ایک مضمون نمایاں طور پر مع مکمل حوالہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے: تحریک بابری مسجد، کتنی ناکام کتنی کامیاب۔

۶۔ بھوپال کے ساتھی الرسالہ کا ہندی اڈیشن نکالنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ فی الحال یہ رسالہ سہ ماہی ہوگا۔ آئندہ حسب حالات اس کو انشاء اللہ ماہانہ کیا جاسکے گا۔

۷۔ ایک صاحب لکھتے ہیں: الرسالہ نومبر ۱۹۸۸ سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ میرٹھ کا سفرنامہ کافی معلوماتی ہے اور دلسوز بھی۔ میرٹھ کے واقعات تو بہت سے اخبارات اور اکابرین ملت نے بیان کیے ہیں، لیکن ان واقعات کے اسباب تک جس گہرائی سے آپ نے نظر ڈالی ہے اس میں آپ بس یوں سمجھیے کہ بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں۔ ہر واقعہ کی تفصیل اور اس کا پس منظر جس کے سبب سے وہ واقعہ نمودار ہوا، بڑے تدبر، تحقیق، تلاش اور جستجو سے جمع کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی پیش کردہ تجاویز بہت بیش قیمت اور کارآمد ہیں۔ اگر ان پر صدق دل سے عمل کیا جائے تو کبھی فساد کی نوبت ہی نہ آئے۔ (محی الدین احمد، حیدرآباد)

۸۔ مسٹر ہربنس لال (نئی دہلی) لکھتے ہیں: دو سال پہلے جامع مسجد دہلی کے بک اسٹال پر الرسالہ دیکھا تھا۔ اس کو خرید کر پڑھا۔ مجھے اچھا لگا۔ اب میں دو سال سے اس کا مستقل خریدار ہوں۔ آپ کے رسالہ نے میری گھریلو زندگی میں میری بڑی مدد کی ہے۔ خداوند کریم سے

پرارتھنا ہے کہ آپ لمبی عمر تک جئیں اور زندگی میں بھرپور خوشیاں پائیں اور لوگوں کو سچا گیان، راز زندگی عطا کرتے رہیں۔ خط کے ساتھ ایک چک (۴۸ روپیہ) کا روانہ کر رہا ہوں۔ میری خریداری جاری رکھیں۔

۹۔ سوامی سدانند (حال مقیم نیویارک) لکھتے ہیں: میں آپ کے خیالات اور تحریر سے بہت متاثر ہوں۔ آپ کے فراخدلانہ خیالات کا نہ صرف مداح ہوں بلکہ میں تو معتقد بھی ہوگیا ہوں۔ خداوند کریم آپ کو لمبی زندگی اور صحت عطا کریں تاکہ آپ دیش کی اور عوام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔ قرآن پاک اور حدیثوں کے حوالہ جات سے انسانیت کی وسعت کی تشریح بہت بڑا کام ہے جو آپ دن رات کر رہے ہیں۔

۱۰۔ ایک صاحب لکھتے ہیں: گزشتہ دنوں میرا بنگلہ دیش کا سفر ہوا تھا۔ راستہ میں مطالعہ کے لیے اسلامی مرکز کی چند کتابیں اور الرسالہ کے متعدد شمارے ساتھ رکھ لیا تھا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں کے دینی مدارس کے طلبہ نے غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی اور اب وہاں سے واپس آیا ہوں تو میرے پاس ایک بھی کتاب نہیں ہے اور نہ الرسالہ کے شمارے ہیں۔ بنگلہ دیش کے دو صاحبان کے نام گفٹ کے طور پر میری طرف سے الرسالہ جاری کر دیں۔ (محمد امین، لکھنؤ)

۱۱۔ الرسالہ اللہ کے فضل وکرم سے نہ صرف دینی، اخلاقی، تعمیری پہلو سے لوگوں کے لیے مفید ثابت ہو رہا ہے، بلکہ اور بھی کئی پہلوؤں سے لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مسٹر کشن جیونت راؤ پاٹل (مدیہ) اور مسٹر راج تیواری (بھوپال) نے بتایا کہ انھوں نے الرسالہ اور اس کی مطبوعات کو اردو میں پڑھنے کے لیے اردو زبان سیکھی ہے۔ محترمہ فرزانہ (حیدرآباد) لکھتی ہیں کہ "ایک انگلش میڈیم کی طالبہ ہونے کے باوجود آج میں اردو زبان اچھی طرح لکھنے اور پڑھنے کے قابل جو ہوئی ہوں وہ آپ کی عنایت اور الرسالہ کی بدولت ہے۔ مجھے دین سے اتنی لگن اور محبت الرسالہ کے مطالعہ سے ہوئی۔ میں اب پوری طرح مسلمان ہوں۔ ہر نماز میں آپ کے لیے اور الرسالہ کے لیے دعا کرتی ہوں۔

۱۲۔ سلمان رشدی کے بارہ میں آئندہ انشاء اللہ ایک مکمل رسالہ شائع کیا جائے گا۔

# دینِ کامل

از مولانا وحید الدین خاں

قرآن میں اسلام کو دینِ کامل کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام دینِ مستحکم ہے۔ اسلام کا ظہور، دینِ خداوندی کی تاریخ میں ایک دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز ہے۔ اسلام نے خدا کے دین کے ساتھ انسانی تعدی کے دور کو ختم کر دیا اور دین کو تمام پہلوؤں سے کامل کر کے اس کو ایسا مستحکم بنا دیا کہ قیامت تک اس کی برتری باقی رہے وہ اپنے پیروؤں کے لیے ابدی سرفرازی کی ضمانت بن جائے۔

صفحات ۳۶۸ ہدیہ ۴۰ روپیہ

# اطلاع

ماہ فروری میں انگریزی الرسالہ کے بارہ میں اعلان کیا گیا تھا کہ مسلسل خسارہ کی وجہ سے اس کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اب قارئین کے اصرار اور خواہش کی بنا پر فوری طور پر اس کو بند کرنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا ہے، تاہم انگریزی الرسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لیے اہلِ خیر حضرات کا کافی تعاون درکار ہے تاکہ خسارہ کی تلافی کر کے اس کو جاری رکھا جا سکے۔ امید ہے کہ اہلِ خیر حضرات اس دعوتی کام میں فیاضانہ تعاون فرمائیں گے۔

صدر اسلامی مرکز

# ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

## ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحبِ استطاعت افراد کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

### زرِ تعاون الرسالہ

| | |
|---|---|
| زرِ تعاون سالانہ | ۴۸ روپیہ |
| خصوصی تعاون سالانہ | ۲۵۰ روپیہ |

بیرونی ممالک سے

| | |
|---|---|
| ہوائی ڈاک | ۲۰ ڈالر امریکی |
| بحری ڈاک | ۱۰ ڈالر امریکی |

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

# AL-RISALA

**Annual Subscription Rates:**

| | One year | Two year |
|---|---|---|
| INLAND | Rs. 48 | Rs. 90 |
| ABROAD (By air mail) | US $ 25 | US $ 50 |
| (By surface mail) | US $ 10 | US $ 20 |

## SUBSCRIPTION FORM

Please send me AL-RISALA

☐ Urdu ☐ English for ☐ 1 year ☐ 2 years

Name .....

Address .....

.....

## GIFT SUBSCRIPTION

Please send AL-RISALA to my friend/relative to the following address:

☐ Urdu ☐ English for ☐ 1 year ☐ 2 years I am enclosing cheque Postal Order/Bank Draft/M.O. Receipt No. .....

Name .....

Address .....

.....

Please send this together with the payment to the Circulation Manager
AL-RISALA C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013 (India)

Delhi Postal Regd. No. D(SE) 243 RN 28822/76 April 1989 No. 149


# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

## مولانا وحید الدّین خاں کے قلم سے

| | Rs |
|---|---|
| تذکیر القرآن جلد اول | 100/- |
| 〃 〃 جلد دوم | 100/- |
| اللہ اکبر | 40/- |
| پیغمبر انقلاب | 30/- |
| مذہب اور جدید چیلنج | 35/- |
| عظمتِ قرآن | 25/- |
| الاسلام | 25/- |
| ظہورِ اسلام | 25/- |
| اسلامی زندگی | 20/- |
| احیاءِ اسلام | 20/- |
| رازِ حیات (مجلد) | 45/- |
| صراطِ مستقیم | 25/- |
| خاتونِ اسلام | 35/- |
| سوشلزم اور اسلام | 25/- |
| اسلام اور عصرِ حاضر | 20/- |
| حقیقتِ حج | 25/- |
| اسلامی تعلیمات | 20/- |
| تبلیغی تحریک | 15/- |
| تعبیر کی غلطی | 35/- |
| دین کی سیاسی تعبیر | 10/- |
| دین کیا ہے | 3/- |
| قرآن کا مطلوب انسان | 6/- |
| تجدیدِ دین | 4/- |
| اسلام دینِ فطرت | 4/- |
| تعمیرِ ملّت | 4/- |
| تاریخ کا سبق | 4/- |
| مذہب اور سائنس | 8/- |
| عقلیاتِ اسلام | 4/- |
| فسادات کا مسئلہ | 3/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 3/- |
| تعارفِ اسلام | 4/- |
| اسلام پندرھویں صدی میں | 4/- |
| راہیں بند نہیں | 4/- |
| ایمانی طاقت | 4/- |
| اتحادِ ملّت | 4/- |
| سبق آموز واقعات | 4/- |
| زلزلۂ قیامت | 6/- |
| حقیقت کی تلاش | 4/- |
| پیغمبر اسلام | 4/- |
| آخری سفر | 4/- |
| اسلامی دعوت | 4/- |
| خدا اور انسان | 4/- |
| حل یہاں ہے | 6/- |
| سچا راستہ | 2/- |
| دینی تعلیم | 4/- |
| حیاتِ طیّبہ | 4/- |
| باغِ جنّت | 4/- |
| نارِ جہنّم | 4/- |
| میوات کا سفر | 25/- |

| | |
|---|---|
| God Arises | Rs. 45/- |
| Muhammad The Prophet of Revolution | 50/- |
| Religion and Science | 25/- |
| Tabligh Movement | 20/- |
| The Way to Find God | 4/- |
| The Teachings of Islam | 5/- |
| The Good Life | 5/- |
| The Garden of Paradise | 5/- |
| The Fire of Hell | 5/- |
| Muhammad The Ideal Character | 4/- |
| Man Know Thyself ! | 4/- |
| इन्सान अपने आपको पहचान | 2/- |
| सच्चाई की तलाश | 4/- |

## مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳